جلد ۱۰ شہادت ۱۳۴۸ ہش شمارہ ۴
اپریل ۱۹۶۹ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰل عمران)

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(اٰل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

شہادت ۱۳۴۸ھش

(اپریل ۱۹۶۹ء)

(ایڈیٹر)

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:۔ چھ روپے — فی پرچہ:۔ ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

پبلشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم ؛ مطبع :۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقامِ اشاعت :۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ
دار الصدر جنوبی ۔ ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد ۱ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ شمارہ ۴
شہادت ۱۳۴۸ھ ش
(اپریل ۱۹۶۹ء)

احمدی ہونے کی حیثیت میں ہماری دُہری ذمہ داری

نئی نسلوں کی تربیت اور اس کی بنیادی اہمیت

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد جیسا کہ خود حضور علیہ السلام نے اپنی کتب و ملفوظات میں بار بار اور بتکرار واضح فرمایا ہے اسلام کو ساری دُنیا میں غالب کرنا ہے۔ اِسی غرض کے ماتحت حضور علیہ السلام کے ذریعہ دُنیا میں جماعتِ احمدیہ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا نے یہی چاہا ہے کہ اسلام کا یہ غلبہ اپنی پُوری شان کے ساتھ اِس جماعت کی مسلسل قربانیوں اور اَن تھک محنت کے ذریعہ تین سَو سال کے اندر اندر ظاہر ہوگا۔ اِس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اسلام کے موعودہ غلبہ سے متعلق احمدی ہونے کی حیثیت میں ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یہ ذمہ داری ہے بھی دُہری نوعیت کی حامل۔

اِس عظیم ذمہ داری کی پہلی نوعیت تو یہ ہے کہ ہم جن پر اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کے افراد ہونے کی حیثیت میں دُنیا بھر میں اسلام کو عملاً غالب کر دکھانے کی ذمہ داری ڈالی ہے اپنی زندگیوں میں اسلامی تعلیم کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھائیں اور پھر کمال درجہ قربانی و ایثار سے کام لیتے ہوئے اسلام کو اِس شان سے دُنیا کے کونے کونے میں پھیلائیں کہ مختلف برّاعظموں مُلکوں اور علاقوں میں بودوباش رکھنے والی قوموں کے افراد دیوانہ وار اسلام کی طرف کھنچے چلے آئیں اور اِس طرح فی الواقعہ اسلام دُنیا میں پُوری شان کے ساتھ عملاً غالب آتا چلا جائے۔ ذمہ داری کی یہ نوعیت ہم سے خود اپنی زندگیوں میں ایک عظیم الشان تغیّر پیدا کرنے اور اسلام کی سربلندی اور غلبہ کے لئے بڑھ چڑھ کر قربانیاں کرنے اور قربانی کے کسی بھی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دینے کا تقاضا کرتی ہے۔ ذمہ داری

کی یہ نوعیت خود ہم میں سے ہر ایک کی اپنی اصلاح اور کمال تعہّد کے ساتھ اپنے دینی فرائض کی کما حقّہ ادائیگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

ذمہ داری کی دوسری نوعیت کا تعلق نئی نسلوں کی اس رنگ میں تربیت کرنے کے ساتھ ہے کہ وہ غلبۂ اسلام کی جدّوجہد کو پُورے جذبہ و جوش کے ساتھ جاری رکھتی چلی جائیں۔ ہم محض اپنی اصلاح کر کے اور دین کی راہ میں ہم سے جن قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے دلی ذوق و شوق کے ساتھ وہ قربانیاں بجا لا کر سبکدوش نہیں ہو سکتے اور عند اللہ فائز المرام قرار نہیں پا سکتے تاوقتیکہ ہم نئی نسلوں کو بھی اسی رنگ میں ڈھال کر اس امر کا پُورا پُورا انتظام نہیں کرتے چلے جاتے کہ نسلاً بعد نسلٍ غلبۂ اسلام کی جدّوجہد جاری رہے اور اس شان سے جاری رہے کہ بالآخر خدائی مقدرات کے ماتحت وہ وقت آجائے کہ کرۂ ارض کے چپّہ چپّہ پر اسلام ہی حکمران ہو۔ اِس ذمہ داری کی ادائیگی میں غفلت نہایت خطرناک نتائج پر منتج ہو سکتی ہے یعنی یہ کہ اسلام کے کامل غلبہ کا زمانہ معرضِ التوا میں پڑ جائے اور اِس طرح ہماری اپنی قربانیاں بھی اکارت جائیں۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نئی نسلوں کی تربیت میں غفلت برتنے کے خطرناک انجام سے خبردار کرنے کے لئے جہاں قرآن مجید میں اِس امر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی نسل میں پیدا ہونے والے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام نے کس قدر محنت اور جانسوزی کے ساتھ نئی نسلوں کی تربیت کی، وہاں ساتھ ہی اِس امر کو بھی پُوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ آگے چل کر جب اُن کی قوم نے نئی نسلوں کی تربیت کرنے میں غفلت سے کام لینا شروع کر دیا تو پھر نتیجہ یہ ہوُا کہ بنی اسرائیل گمراہ ہوئے بغیر نہ رہے چنانچہ فرماتا ہے :۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (سورہ مریم)

پھر ان کے بعد ایک ایسی نسل آئی جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔ پس وہ عنقریب گمراہی کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔

اب چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کو دُنیا میں غالب کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور یہ غلبہ ظاہر نہیں ہو سکتا جب تک کہ نئی نسلوں کی پُوری مستعدی سے تربیت نہ کی جائے اور غلبۂ اسلام کی مہم نسلاً بعد نسلٍ پُوری کامیابی کے ساتھ جاری نہ رہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے تربیتِ اولاد پر خاص زور دیا ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں :۔

"اولاد کی خواہش صرف نیکی کے اصول پر ہونی چاہیئے' اس لحاظ اور خیال سے نہ ہو کہ وہ ایک گناہ کا خلیفہ باقی رہے ..... پھر ایک اور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور اُن کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی کریں' نہ کبھی اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں اور نہ مراتب تربیت کو مدِنظر رکھتے ہیں.... ..... بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتداء میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو اُن کو تنبیہہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں .....

حاصل کلام یہ ہے کہ لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں مگر نہ اس لئے کہ وہ خادم دین ہو بلکہ اس لئے کہ دُنیا میں اُن کا کوئی وارث ہو۔ اور جب اولاد ہوتی ہے تو اسکی تربیت کا فکر نہیں کیا جاتا' نہ اُس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو درست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ ایمان درست نہیں ہو سکتا جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اَور نیکیوں کی امید اس سے کیا ہو سکتی ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۷۲، ۳۷۳)

مندرجہ بالا آیۂ کریمہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے افراد ہونے کی حیثیت میں ہم پر دُہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک خود اپنی اصلاح اور قربانی و ایثار کی اور دوسرے نئی نسلوں کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت کی۔ اس کے بغیر ہم اسلام کو دنیا بھر میں عملاً غالب کرنے کی مہم میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

بعض احباب اپنی اس دُہری ذمہ داری کا احساس رکھنے کے باوجود ایک غلط فہمی کی بناء پر تربیتِ اولاد کے بارہ میں غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ وہ خود نیک اور سابق بالخیرات بننے کو کافی تصور کر بیٹھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم نیکی کی راہ پر گامزن ہیں اور دینی تقاضوں کو پُورا کر رہے ہیں اس لئے لازماً ہماری اولاد بھی ہمارے نمونہ کو دیکھ کر نیک ہی اُٹھے گی اور از خود سابق بالخیرات بنتی چلی جائے گی۔ اُن کا یہ خیال ہرگز بھی درست نہیں ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ اولاد کی تربیت میں والدین کے نیک نمونہ کا بھی دخل ہوتا ہے لیکن محض نیک

نمونہ پر تکیہ کرتے ہوئے مراتبِ تربیت اور اس راہ میں سعی و کوشش کو نظر کرنے کا کبھی اچھا نتیجہ نہیں نکلا کرتا۔ ہاں اگر مراتبِ تربیت کا پورا پورا خیال رکھا جائے اور اس بارہ میں کما حقہٗ کوشش اور دعا سے کام لینے میں کسر اُٹھا نہ رکھی جائے تو خود والدین کا نیک نمونہ تربیت کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے ورنہ محض نیک نمونہ پر ہی تکیہ کرنا نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احبابِ جماعت کو اس غلط فہمی کے بُرے نتائج سے پہلے ہی خبردار فرما دیا تھا۔ حضورؓ نے ۵ ستمبر ۱۹۵۸ء کو خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:۔

"لوگ عموماً سمجھ لیتے ہیں کہ جب ہم اچھے ہیں تو ہماری اولاد بھی قیامت تک اچھی ہی رہے گی اور اس وجہ سے وہ اُن کی نیک تربیت اور دینی تعلیم سے غافل ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی آئندہ نسلیں بالکل تباہ ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں تمام تباہیاں اور بربادیاں اسی وجہ سے ہوئی ہیں کہ لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ جب ہم اچھے ہیں تو لازماً ہماری اولاد بھی اچھی رہے گی۔ حالانکہ نہ تو قومی نیکیاں خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل ہوتی ہیں اور نہ آئندہ نسلوں کی درستی اس کے فضل کے بغیر ہوتی ہے۔ **اور اگر کسی وقت ہماری جماعت نے بھی اس نکتہ کو فراموش کر دیا تو اسے بھی انہی روحانی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو پہلی قوموں کو پیش** آئے۔"

(الفضل یکم ستمبر ۱۹۶۸ء)

پھر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تربیتِ اولاد کے ضمن میں اس خطرناک غلط فہمی سے ہی خبردار نہیں فرمایا بلکہ حضورؓ نے ایک ایسے امر کی طرف بھی نہایت زوردار الفاظ میں توجہ دلائی ہے جسے آئندہ نسلوں کی تربیت کے ضمن میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ بچوں کو بہر طور نماز باجماعت کا ایسا عادی بنا دیا جائے کہ اُن کے لئے نماز باجماعت سے پہلو تہی یا اس بارہ میں غفلت ممکن ہی نہ رہے۔ نماز باجماعت کی عادت ایسی مؤثر چیز ہے کہ اس کے نتیجہ میں تربیت کے تمام دیگر مراحل بآسانی طے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ تربیتِ اولاد کے ضمن میں نمازِ باجماعت کی اہمیت کو نہایت زوردار الفاظ میں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"بچوں کے اخلاق و عادات کی درستی اور اصلاح کے لئے میرے نزدیک سب سے زیادہ ضروری امر نمازِ باجماعت ہے۔ بچوں کو نماز باجماعت ادا کرنے

کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ . . . . . . مَیں نے اپنے تجربہ میں نمازِ باجماعت سے بڑھ کر کوئی چیز نیکی کے لئے ایسی مؤثر نہیں دیکھی۔ سب سے بڑھ کر نیکی کا اثر کرنے والی نمازِ باجماعت ہی ہے۔ اگر مَیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کی پُوری تشریح نہ کر سکوں تو مَیں اپنی زبان کا قصور سمجھوں گا، ورنہ میرے نزدیک نمازِ باجماعت کا پابند انسان خواہ وہ اپنی بدیوں میں ترقی کرتے کرتے ابلیس سے بھی آگے نکل جائے پھر بھی میرے نزدیک اس کی اصلاح کا موقع ہاتھ سے نہیں گیا۔ ایک شمّہ بھر اور ایک رائی کے برابر بھی میرے خیال میں نہیں آتا کہ کوئی شخص نمازِ باجماعت کا پابند ہو اور پھر اس کی اصلاح کا موقع نہ رہے خواہ وہ کتنا ہی بدیوں میں مبتلا کیوں نہ ہو گیا ہو۔ نیکی کے متعلق نماز کے مؤثر ہونے کا مجھے اتنا کامل یقین ہے کہ مَیں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر بھی کہہ سکتا ہوں کہ نمازِ باجماعت کا پابند خواہ کتنا ہی بداعمال کیوں نہ ہو گیا ہو اس کی ضرور اصلاح ہو سکتی ہے اور وہ ضائع نہیں ہوتا۔ اور مَیں شرح صدر سے کہہ سکتا ہوں کہ آخری وقت تک اس کے لئے اصلاح کا موقع ہے۔ مگر وہ نمازِ باجماعت کا پابند اِس رنگ میں ہو کہ اس میں اُس کو لذت اور سرور حاصل ہو۔ میرے نزدیک اُن ماں باپ سے بڑھ کر اولاد کا کوئی دشمن نہیں جو بچّوں کو نمازِ باجماعت ادا کرنے کی عادت نہیں ڈالتے۔ . . . . . . بڑا آدمی اگر خود نماز نہیں پڑھتا تو وہ منافق ہے مگر **وہ لوگ جو اپنے بچّوں کو نمازِ باجماعت ادا کرنے کی عادت نہیں ڈالتے وہ اُن کے خونی اور قاتل ہیں۔**" (الفضل ۱۸ ؍جون ۱۹۶۵ء)

پس ہم میں سے ہر شخص کو احمدی ہونے کی حیثیت میں غلبۂ اسلام کی آسمانی جدّوجہد کو نسلاً بعد نسلٍ جاری رکھنے سے متعلق اپنی دُہری ذمہ داری کا پُورا پُورا احساس کرتے ہوئے جہاں خود اپنی زندگیوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے اور دینی تقاضوں کو پُورا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہنا چاہیئے وہاں آئندہ نسلوں کی تربیت میں بھی کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھنا چاہیئے اور اس غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ چونکہ ہم خود نیکی کی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے دینی تقاضوں کو پُورا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں اس لئے ہماری اولاد از خود نیکی کی راہ اختیار

کرتی چلی جائے گی۔ یہ امر ضروری اور نہایت ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت اور اُن کے اخلاق کی درستی سے کسی آن بھی غافل نہ ہو اور تدبیر اور دُعا سے کماحقہٗ کام لیتے ہوئے انہیں صحیح معنوں میں دین کا خادم بنانے میں کوشاں رہے اور علی الخصوص اُنہیں نمازِ باجماعت کا پابند بنانے میں تو کوئی کسر اُٹھا نہ رکھے کیونکہ تربیتِ اولاد کا تمام تر انحصار اسی بنیادی اصل پر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی دُہری ذمہ داری کا پُورا پُورا احساس کرتے ہوئے اسے کماحقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے تا غلبۂ اسلام کی مہم نسلاً بعد نسلٍ پُورے جذبہ و جوش سے جاری رہے حتّٰی کہ خدا اپنے وعدوں کے بموجب وہ دن جلد لے آئے کہ دُنیا میں ہر طرف اسلام ہی اسلام نظر آنے لگے۔ اٰمین اللّٰھم اٰمین ؛

نماز مشکلات کی کنجی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"نماز ایسے ادا نہ کرو جیسے مُرغی دانہ کے لئے ٹھونگ مارتی ہے بلکہ سوز و گداز سے ادا کرو اور دُعائیں بہت کیا کرو۔ نماز مشکلات کی کُنجی ہے ۔ ماثورہ دُعاؤں اور کلمات کے سوا اپنی مادری زبان میں بہت دُعا کیا کرو تا اس سے سوز و گداز کی تحریک ہو اور جب تک سوز و گداز نہ ہو اسے ترک مت کرو کیونکہ اِس سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور سب کچھ ملتا ہے۔ چاہیئے کہ نماز کی جس قدر صورتیں ہیں ان سب کے ساتھ دل بھی ایسے ہی تابع ہو۔ اگر جسمانی طور پر کھڑے ہو تو دل بھی خدا کی اطاعت کیلئے ویسے ہی کھڑا ہو۔ اگر جھکو تو دل بھی ویسے ہی جُھکے ۔ اگر سجدہ کرو تو دل بھی ویسے ہی سجدہ کرے۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۳۶۷، ۳۶۸)

(کلمات طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

اِس زمانہ میں جماعتِ احمدیہ کے قیام کا ایک مقصد

خدا تعالیٰ ایسی جماعت تیار کرنا چاہتا ہے جیسی آنحضرتؐ نے تیار کی تھی

تا یہ جماعت قرآن شریف اور آنحضرتؐ کی سچائی پر بطور گواہ ٹھہرے

امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس آخری زمانہ میں جماعت احمدیہ کے قیام کا مقصد واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور رونے دھونے سے کچھ نہیں ملتا۔ یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کے صفاتِ قدرت و تصرّف پر ایمان نہیں رکھتے۔ اگر ان میں حقیقی ایمان ہوتا تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ جب کبھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حضور آیا ہے اور اُس نے سچی توبہ کے ساتھ رجوع کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اُس پر اپنا فضل کیا ہے۔ یہ کسی نے بالکل سچ کہا ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ؎ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

خدا تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ تم اُس کے حضور پاک دل سے کر آجاؤ۔ صرف شرط اتنی ہے کہ اس کے مناسبِ حال اپنے آپ کو بناؤ اور وہ سچی تبدیلی جو خدا تعالیٰ کے حضور جانے کے قابل بنا دیتی ہے اپنے اندر کرکے دکھاؤ۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میں عجیب در عجیب قدرتیں ہیں اور اس میں لا انتہا فضل و برکات ہیں مگر ان کے دیکھنے اور پانے کے لئے محبت کی آنکھ پیدا کرو۔ اگر سچی محبت ہو تو خدا تعالیٰ بہت دُعائیں سُنتا ہے اور تائیدیں کرتا ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ محبت اور اخلاص خدا تعالیٰ سے ہو۔ خدا کی محبت ایک ایسی شے ہے جو انسان کی سفلی زندگی کو جلا کر اُسے ایک نیا اور مصفّٰی انسان بنا دیتی ہے۔ اس وقت وہ وہ کچھ دیکھتا ہے جو

پہلے نہیں دیکھتا تھا اور وہ وہ کچھ سنتا ہے جو پہلے نہیں سنتا تھا۔ غرض خدا تعالیٰ نے جو کچھ مائدہ فضل و کرم کا انسان کے لئے تیار کیا ہے اس کے حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے استعدادیں بھی عطا کی ہیں۔ اگر وہ استعدادیں تو عطا کرتا لیکن سامان نہ ہوتا تب بھی ایک نقص تھا۔ یا اگر سامان تو ہوتا لیکن استعدادیں نہ ہوتیں تو کیا فائدہ تھا۔ مگر نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اس نے استعداد بھی دی اور سامان بھی مہیا کیا۔ جس طرح یہ ایک طرف روٹی کا سامان پیدا کیا تو دوسری طرف آنکھ، زبان، دانت اور معدہ دے دیا اور جگر اور امعاء کو کام میں لگا دیا اور ان تمام کاموں کا مدار غذا پر رکھ دیا۔ اگر پیٹ کے اندر ہی کچھ نہ جائے گا تو دل میں خون کہاں سے آئے گا۔ کیلوس کہاں سے بنے گا۔

اسی طرح پر سب سے اول اس نے یہ فضل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام جیسا مکمل دین دے کر بھیجا اور آپ کو خاتم النبیین ٹھہرایا اور قرآن شریف جیسی کامل اور خاتم الکتاب عطا فرمائی جس کے بعد قیامت تک نہ کوئی کتاب آئے گی اور نہ کوئی نیا نبی نئی شریعت لیکر آئیگا۔ پھر جو قویٰ سوچ اور فکر کے ہیں اُن سے اگر ہم کام نہ لیں اور خدا تعالیٰ کی طرف قدم نہ اٹھائیں تو کس قدر سستی اور کاہلی اور ناشکری ہے۔ غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہلی ہی سورت میں ہمارے لئے کس قدر مبسوط طریق پر فضل کی راہ بتا دی ہے۔ اس سورت میں جس کا نام خاتم الکتاب اور اُم الکتاب بھی ہے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اور اس کے حصول کی کیا راہ ہے؟ اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔ گویا انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور منشاء ہے اور وہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت، ہمت اور سمجھ میں ہو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پورا کام لے اور اس کے بعد پھر خدا تعالیٰ سے اُس کی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے دُعا کرے۔

انسانی زندگی کا مقصد اور غرض صراطِ مستقیم پر چلنا اور اُس کی طلب ہے جس کو اس سُورۃ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ یا اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ اُن لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ وہ دُعا ہے جو ہر نماز میں اور ہر رکعت میں مانگی جاتی ہے۔ اس دُعا کا اس قدر تکرار ہی اس کی ضرورت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہماری جماعت یاد رکھے کہ یہ معمولی سی بات نہیں ہے اور صرف زبان

سے طوطے کی طرح اِن الفاظ کا رَٹ لینا اصل مقصود نہیں ہے بلکہ یہ دُعا انسان کو انسانِ کامل بنانے کا ایک کارگر اور خطا نہ کرنے والا نسخہ ہے جسے ہر وقت نصب العین رکھنا چاہیئے۔ اور تعویذ کی طرح مدّنظر رکھنا چاہیئے۔ اِس آیت میں چار قسم کے کمالات کے حاصل کرنے کی التجا ہے۔ اگر انسان ان چار قسم کے کمالات کو حاصل کرے گا تو گویا دُعا مانگنے اور خُلقِ انسانی کے حق کو ادا کر دے گا اور اُن استعدادوں اور قویٰ کے بھی کام میں لانے کا حق ادا ہو جائے گا جو اُس کو دی گئی ہیں۔

اس بات کو کبھی بھُولنا نہیں چاہیئے کہ قرآن شریف کے بعض حصّے دوسرے حصّوں کی تفسیر اور شرح ہیں۔ ایک جگہ ایک امر بطریقِ اجمال بیان کیا جاتا ہے تو دوسری جگہ وہی امر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ گویا دوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ پس اِس جگہ جو یہ فرمایا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو یہ بطریقِ اجمال ہے۔ لیکن دوسرے مقام پر منعم علیہم کی خود ہی تفسیر کر دی ہے مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ منعم علیہم لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں نبیؑ، صدّیقؓ، شہیدؓ، صالحؒ۔ انبیاءؑ میں یہ چاروں شانیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ یہ اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اِن کمالات کے حاصل کرنے کے لئے جہاں تک مجاہدہ صحیحہ کی ضرورت ہے اس طریق پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے کوشش کرے۔

مَیں یہ بھی تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے تراشے ہوئے وظائف اور اَوراد کے ذریعہ سے اِن کمالات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں یا خدا تعالیٰ کے ساتھ سچّا تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن مَیں تمہیں کہتا ہوں کہ جو طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہیں کیا وہ محض فضول ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر منعم علیہم کی راہ کا سچّا تجربہ کار اور کون ہو سکتا ہے جن پر نبوّت کے بھی تمام کمالات ختم ہو گئے۔ آپؐ نے جو راہ اختیار کی وہ بہت صحیح اور اقرب ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ ایجاد کرنا خواہ وہ بظاہر کتنی ہی خوش کن معلوم ہوتی ہو میری رائے میں ہلاکت ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی اتّباع سے خدا ملتا ہے اور آپؐ کی اتّباع کو چھوڑ کر خواہ کوئی ساری عمر ٹکریں مارتا رہے گوہرِ مقصود اُس کے ہاتھ نہیں آ سکتا۔ چنانچہ سعدیؒ بھی آنحضرت

صلعم کی اتباع کی ضرورت بدیں الفاظ بتاتا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ؛ ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو ہرگز نہ چھوڑو۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ قسم قسم کے وظیفے لوگوں نے ایجاد کر لئے ہیں۔ اُلٹے سیدھے لٹکتے ہیں اور جوگیوں کی طرح راہبانہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب بے فائدہ ہیں۔ انبیاء کی یہ سُنّت نہیں کہ وہ اُلٹے سیدھے لٹکتے رہیں یا نفی اثبات کے ذکر کریں اور ارّہ کے ذکر کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے اُسوۂ حسنہ فرمایا۔ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلو اور ایک ذرّہ بھر بھی اِدھر یا اُدھر ہونے کی کوشش نہ کرو۔

غرض منعم علیہم لوگوں میں جو کمالات ہیں اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے ان کو حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہے اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اِس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی تاکہ اِس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔" ؛

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۶)

گوشِ دل سے سُنو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"مَیں پھر پکار کر کہتا ہوں اور میرے دوست سُن رکھیں کہ وہ میری باتوں کو ضائع نہ کریں اور ان کو صرف ایک قصّہ گو اور داستان کی کہانیوں ہی کا رنگ نہ دیں، بلکہ مَیں نے یہ ساری باتیں نہایت دِلسوزی اور سچّی ہمدردی سے جو فطرتاً میری رُوح میں ہے کی ہیں۔ ان کو گوشِ دل سے سُنو اور ان پر عمل کرو۔"

(ملفوظات جلد اوّل صہ ۱۳۲)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَاِنِّیْ نَاصِحٌ خِلٌّ اَمِیْنٌ

(اور میں ایک نصیحت کرنے والا دوست اور امین ہوں)

أَتَخْطُبُ عِزَّةَ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ أَتَطْلُبُ عَيْشَهَا وَالْعَيْشُ فَانِيْ

کیا تو اس دُنیا ناکارہ کی عزتوں کا طالب ہے، کیا تو اس دُنیا کے عیشوں کو ڈھونڈتا ہے اور اسکے تمام عیش فانی ہیں۔

أَتَرْضٰى يَا اَخِىْ بِالْخَانِ حُمْقًا وَتَنْسٰى وَقْتَ تَبْدِيْلِ الْمَكَانِ

اے بھائی کیا تو سرائے میں رہنے میں اپنے حُمق سے راضی ہوگیا اور اُس وقت کو بُھلا دیا جو تبدیلِ مکانی کا وقت ہے۔

عَلٰى بُسْتَانِ هٰذَا الدَّهْرِ فَأْسٌ فَكَمْ شَجَرٍ يُجَاحُ مِنَ الْأَهَانِ

اِس دُنیا کے باغ پر تبر رکھا ہے۔ سو بہت سے درخت جڑ سے اُکھاڑے جا رہے ہیں۔

وَكَمْ عُنُقٍ تُكَسِّرُهَا الْمَنَايَا وَكَمْ كَفٍّ وَكَمْ حَسَنِ الْبَنَانِ

اور موتیں بہت سی گردنوں کو توڑ رہی ہیں اور بہت سی ہتھیلیاں اور بہت سی خوبصورت پوریں ٹُوٹی چلی جا رہی ہیں۔

تَرٰى فِىْ سَاعَةٍ سُرُرًا لِرَجُلٍ وَفِى الْأُخْرٰى تَرَاهُ عَلَى الْإِرَانِ

اور تُو یہ تماشہ دیکھ رہا ہے ایک گھڑی ایک مرد کے لئے کئی تخت بچھے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر دوسری گھڑی میں وہی مرد تابوت میں پڑا ہُوا ہوتا ہے

وَاِنِّیْ نَاصِحٌ خِلٌّ اَمِیْنٌ وَيَدْرِىْ نُوْرَ عِلْمِىْ مَنْ يَّرَانِىْ

اور میں ایک نصیحت دینے والا دوست اور امین ہوں اور جو شخص مجھے دیکھے وہ میرے نُورِ علم کو معلوم کر لے گا۔

يُكَرَّمُ جَاهِلٌ قَبْلَ ابْتِلَاءٍ وَقَدْرُ الْحِبْرِ بَعْدَ الْاِمْتِحَانِ

جاہل کی تعظیم آزمائش سے پہلے ہوتی ہے اور دانا آدمی کی تعظیم اس کے امتحان کے بعد کی جاتی ہے۔

(نور الحق حصہ اوّل)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مَن آں نیم کہ تغافل زِ کارِ خود بکنم

(مَیں وہ نہیں ہوں کہ اپنے کام سے غفلت کروں)

مَن آں نیم کہ تغافل زِ کارِ خود بکنم   بہر دم از دل و جاں وصفِ یارِ خود بکنم

مَیں ہر دم دل و جان سے اپنے یار کی تعریف کرتا ہوں مَیں وہ نہیں ہوں کہ اپنے کام سے غفلت کروں۔

کہ ہر چہ ہست نثارِ نگارِ خود بکنم   بہر زماں بدلم ایں ہوس ہمے جوشد

ہر وقت میرے دل میں یہ شوق جوش مارتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ اپنے محبوب پر قربان کر دوں۔

دلم تپد کہ فدائیش غبارِ خود بکنم   اگرچہ در رہِ جاناں چو خاک گردیدم

اگرچہ مَیں محبوب کی راہ میں خاک کی طرح ہو گیا ہوں مگر میرا دل تڑپتا ہے کہ اپنا غبار بھی اس پر فدا کر دوں۔

چرا بکوچۂ غیرے قرارِ خود بکنم   روم بگلشن دلدادگاں کزاں باغم

مَیں عاشقوں کے گلشن میں جاتا ہوں۔ اِس باغ کو چھوڑ کر مَیں کسی غیر کے کُوچہ میں اپنا مسکن کیوں بناؤں۔

زمانہ را خبر از برگ و بارِ خود بکنم   رسید مژدہ کہ ایامِ نو بہار آمد

مجھے خوشخبری ملی ہے کہ پھر موسم بہار آ گیا۔ تا کہ زمانہ کو مَیں اپنے پھلوں اور پتّوں کی خبر کر دوں۔

ہمائے اوجِ سعادت شکارِ خود بکنم   تعلّقاتِ دلآرامِ خویش بنمایم

اور اپنے محبوب کے تعلقات کا اظہار کروں اور ہمائے اوجِ سعادت کو اپنا شکار بناؤں۔

مگر دلش چو دلِ ریش و زارِ خود بکنم   بروئے یار کہ از بہرِ قوم مے سوزم

خدا کی قسم مَیں اپنی قوم کی خیر خواہی میں جل رہا ہوں تا کہ قوم کے دل کو بھی اپنے زخمی اور نالاں دل کی طرح کر دوں۔

(الحکم ۳۱ر جنوری ۱۹۰۴ء)

اخلاقِ فاضلہ سیکھنے کا اصل زمانہ بچپن کا زمانہ ہے

آئندہ نسلوں کی اصلاح اور درستی سے کبھی غفلت نہ برتو

(سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

"اگر کوئی قوم اعلیٰ اخلاق اور پسندیدہ اعمال میں ترقی کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے بہترین ذریعہ یہی ہے کہ وہ اپنی اصلاح کی کوشش کرے اور بالخصوص اپنی نسل کی اصلاح اور اس کے اخلاق کی خاص نگرانی کرے۔ بچپن کے زمانہ میں جہاں بچہ بہت جلد اور آسانی سے ساتھ اخلاقِ فاضلہ سیکھ سکتا ہے وہاں اگر اُس کی نگرانی نہ کی جائے اور اُس کے اخلاق خراب ہو جائیں تو ایسا خطرناک ہو جاتا ہے کہ دوسرے بچوں کے اخلاق کو بھی بگاڑ دیتا ہے۔ بڑے بڑے آدمی تو چونکہ عیب کو عیب سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں اس لئے اُس سے بچنے کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن بچوں میں چونکہ نقل کرنے کی عادت ہوتی ہے اسلئے وہ جو کچھ دوسرے کو کرتا دیکھتے ہیں وہی کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایک لڑکے کو اگر جھوٹ بولنے کی عادت ہوگی یا گالیاں دینے یا چوری کرنے کی، تو جتنے لڑکوں سے اس کا تعلق ہوگا وہ سارے کے سارے اِن حرکات میں اس کی نقل کریں گے اور اِس طرح وہ بھی جھوٹ بولنے، گالیاں دینے اور چوری کرنے کے عادی ہو جائیں گے۔ تو بچپن کا زمانہ نہ صرف یہ کہ اخلاقِ فاضلہ سیکھنے کا بہت بڑا میدان ہے بلکہ دوسروں کے اخلاق بگاڑنے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔

میرے نزدیک بڑے بڑے لیڈر بھی اپنے لیکچروں اور تقریروں میں ایسے کامیاب نہیں ہو سکتے جتنا ایک بچہ دوسرے بچوں کو اپنی باتوں سے متاثر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ میں مذہبی پیشواؤں کو اِس سے مستثنیٰ کرتا ہوں کیونکہ ان کے ساتھ انبیاء ملائکہ ہوتا ہے جو اُن کی قبولیت کو پھیلاتے ہیں۔ ایک بچہ کو جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہے، وہ سَو یا دو سو لڑکے جھوٹ بولنے والے بہت آسانی سے پیدا کر سکتا ہے۔ غرض بچپن میں جن کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں وہ نہ صرف اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں بلکہ اَوروں کی بھی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ اور بچپن کی عادت

کا اِس قدر اثر ہوتا ہے کہ بڑے ہو کر اُن کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ بڑے بڑے فلاسفر اور سمجھدار بھی ان کے سامنے عاجز رہ جاتے ہیں۔ پس اخلاقِ فاضلہ کے لئے میرے نزدیک سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسلوں کی اصلاح اور راستی کی پُوری پُوری فکر اور نگرانی کی جائے۔ اور یہ بات کوئی معمولی نہیں بلکہ بہت بڑی بات ہے۔

اِس کے لئے سب سے پہلا طریق وسطی اور میانہ روی ہے۔ نہ تو بچے پر اتنی سختی کی جائے کہ اسے دوسرے بچوں سے ملنے کا موقع ہی نہ دیا جائے اور نہ اتنی نرمی کی جائے کہ وہ خواہ کچھ کرتا پھرے اسکی نگرانی نہ کی جائے۔ اگر اُسے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے کُودنے سے روک دیا جائے گا تو اِس سے اُس کے اخلاق درست نہیں ہو سکیں گے کیونکہ ایسی صورت میں وہ اِس بات کے لئے تیار رہتا ہے کہ بدی اُس کے سامنے آئے اور وہ جھٹ اُسے قبول کر لے۔ کیونکہ بدی کا مقابلہ ارادہ کی قوت سے ہوتا ہے اور وہ اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک بچہ اچھے اور بُرے دونوں قسم کے بچوں سے نہ ملے۔ جس بچے کو گھر میں بند رکھا جائے اور کسی سے ملنے نہ دیا جائے وہ پچاس برس کی عمر میں بھی لڑکا ہی رہے گا کیونکہ اس کی مثال اُس کانچ کے برتن کی سی ہو گی جسے ذرا ٹھوکر لگی اور وہ ٹوٹ گیا۔ جب بھی کوئی بدی اُس کے سامنے آئے گی وہ مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن اگر وہ لوگوں سے ملتا رہے تو اُس کے اندر شناخت پیدا ہو جاتی ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے۔ اِس طرح اُسے بدی سے بچنے کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے جن بچوں کی ہمیشہ سختی کے ساتھ نگہداشت کی جاتی ہے وہ بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اور وہ اگر نیکی بھی کرتے ہیں تو عادت کے ماتحت، نہ کہ بدی کے مقابلہ کی طاقت کی وجہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ بدی کے پیش ہونے پر بہت جلد اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح جن کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی قسم کی نگرانی نہیں کی جاتی اُن کی مثال اُن بھیڑوں کی ہے جنہیں بھیڑیوں کے آگے چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ بداخلاقی سے بچے رہیں یا اُن کی کسی طرح اصلاح ہو جائے تو اس میں اُن کے ماں باپ کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا لیکن اگر وہ تباہ ہو جائیں اور اُن کے اخلاق برباد ہو جائیں تو اس کے ذمّہ دار ماں باپ ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی سے غفلت کی اور اپنی اولاد کی کچھ نگرانی نہ کی۔ غرض بچوں کے اخلاق کی درستی میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے۔ نہ تو اتنی تنگی کرنی چاہیئے کہ وہ کسی سے مل ہی نہ سکیں اور نہ اتنی آزادی دینی چاہیئے کہ وہ جو چاہیں کرتے پھریں اور انکی کوئی نگہداشت ہی نہ کی جائے۔" (الازھار لذوات الخمار صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۶)

صحابۂ کرامؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نہایت اعلیٰ کردار

سلسلہ کے ساتھ اخلاص اور محبت اور خدمتِ دین کی تڑپ

(محترم جناب مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی کمند کے ساتھ مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور ایک باطنی کمند کے ساتھ سعید روحوں کو میری طرف لے آیا۔ سو یہ بات درست اور واقعی درست ہے کہ سعید روحیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اسی طرح کھینچی گئیں جس طرح شہد کی طرف چیونٹیاں کشاں کشاں آجاتی ہیں۔ اور پھر ان سعید روحوں نے خدمتِ دین کے کام بھی وہ کئے جن کی نظیر صرف حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کے مبارک زمانہ میں نظر آتی ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہی اپنے ایک کامل ظل کے ذریعے کارفرما ہوئی۔ سو نتیجہ بھی کیونکر ویسا ہی ہوتا۔

ان سعید روحوں میں سے ایک حضرت حافظ مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ تھے جن کو اخلاص اور خدمتِ دین اور معرفتِ الٰہی اور تبحرِ علمی میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی دی ہوئی توفیق سے اوّلیت حاصل تھی۔ پہلی مرتبہ جب آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا تو آپؓ اسی طرح آپؑ کے پہچاننے والے اور آپؑ پر ایمان لانے والے ہوگئے جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے۔ نہ انہیں صداقت کے شناخت کرنے میں کوئی تامل ہوا نہ انہیں۔

پھر ایمان لانے کے بعد آپؓ نے جس اخلاص اور جس خدمتِ دین کی تڑپ کا مظاہرہ کیا وہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی کیفیت ہی رکھتا ہے۔ آپؓ کا ایک مکتوب جو آپؓ نے ابتداء میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں تحریر فرمایا سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ وہ خط یہ ہے:۔

"مولانا مرشدنا امامنا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عالیجناب میری دعا یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں اور امام زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدد کیا گیا ہے وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو

مَیں نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور دن رات خدمتِ عالی میں پڑا رہوں۔ یا اگر حکم ہو تو اِس تعلق کو چھوڑ کر دُنیا میں پھروں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف بُلاؤں اور اسی راہ میں جان دیدوں۔ مَیں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں آپ کا ہے۔ حضرت پیرو مرشد مَیں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں میرا سارا مال و دولت اگر دینی کی اشاعت میں خرچ ہو جائے تو مَیں مراد کو پہنچ گیا۔ اگر خریدار براہین کے توقف طبع کتاب سے مضطرب ہوں تو مجھے اجازت فرمائیے کہ یہ ادنیٰ خدمت بجا لاؤں کہ اُن کی تمام قیمت ادا کردہ اپنے پاس سے واپس کر دوں۔ حضرت پیرو مرشد نابکار شرمسار عرض کرتا ہے اگر منظور ہو تو میری سعادت ہے میرا منشا ہے کہ براہین احمدیہ کی طبع کا تمام خرچ مجھ پر ڈال دیا جائے۔ پھر جو کچھ قیمت میں وصول ہو وہ روپیہ آپ کی ضرورت میں خرچ ہو۔ مجھے آپ سے نسبتِ فاروقی ہے اور سب کچھ اِس راہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دُعا فرمائیں کہ میری موت صدیقوں کی موت ہو۔"

یہ باتیں صرف خط میں ہی نہیں تھیں بلکہ آپؓ نے عین اس کے مطابق کر دکھایا اور ایسے اخلاص سے یہ غلامی اختیار کی کہ اپنا کچھ بھی نہ رہنے دیا اور سب کچھ ہی نثار کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازے پر دُھونی رما کر بیٹھ گئے اور ہر وقت خدمتِ دین کے لئے کمربستہ رہے اور سلسلہ کے ساتھ کمال اخلاص کا نمونہ دکھایا۔ سلسلہ کی تائید میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔

مَیں نے اپنی ایک تقریر میں جو جلسہ سالانہ ۱۹۶۳ء کے موقعہ پر کی گئی تھی۔ حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے علاوہ ۹ دیگر بزرگ صحابہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت نواب محمد علی خان صاحب، حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت میر محمد اسحاق صاحب اور حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب شہید رضی اللہ عنہم کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ درحقیقت ان میں سے ہر ایک آسمان کے ستاروں کی طرح روشن تھا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر قربان، خدمتِ دین کے جذبہ سے سرشار اور اپنی قربانیوں کو انتہا تک پہنچانے والا۔ حضرت مولانا عبدالکریم رضؓ جیسا، شعلہ بیان لیڈر اپنی تمام شیخت چھوڑ کر قادیان میں آ بیٹھا اور آخر تک مامورِ زمان کی زبانِ فیض ترجمان بنا رہا۔ آپ کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:-

"آپؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کی جماعت کے ساتھ اتنی شدید محبت تھی کہ اس محبت کا اندازہ اُس شخص کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا جس نے آپؓ کو دیکھا اور آپؓ سے باتیں کی ہوں۔ جب آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کرتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے جسم کے ذرّے ذرّے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبّت داخل ہو گئی ہے۔"

حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ نے ۱۹ سال کی عمر میں قادیان آکر پہلے حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کے شاگرد خاص کے طور پر دینی علوم حاصل کئے اور پھر دن اور رات یہ علوم لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ۵/- روپے ماہوار سے آپ کا گزارہ شروع کیا گیا تھا۔ شادی ہوتے پر ۱۰/- روپے کر دیئے گئے اور بچّی پیدا ہونے پر ۱۵/- روپے۔ ہاں بعض صاحب حیثیت بزرگ آپ سے اخلاص کے پیشِ نظر کبھی آپ کو کچھ بھیج دیتے تھے۔ یہ لوگ بھی اسی طرح ضروریاتِ زندگی رکھتے تھے جس طرح ہم رکھتے ہیں۔ ان کے اندر بھی اسی طرح دل تھے جس طرح ہمارے اندر ہیں لیکن کیا یہ عجیب نظارہ نہیں کہ انہوں نے اپنے دلوں کو دُنیا اور اس کے خیالات سے بالکل فارغ کر دیا اور محض خدا کے ہو گئے اور اسی کے لئے محنتِ شاقہ برداشت کرتے ہوئے ساری عمر بسر کی۔ ایک وقت تھا کہ اُن کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑوں کا ہوا کرتا تھا اور جمعرات کی شام کو عشاء کی نماز کے بعد اسے دھو لیتے اور سوکھنے کے لئے ڈال دیتے اور صبح کو پہن لیتے۔ کیا دُنیا سے ایسی بے نیازی بھی کہیں نظر آتی ہے؟ ہر ایک اپنے نفس اور بال بچّوں کے لئے آرام کی فکر میں پڑا ہوا ہے لیکن یہ لوگ تھے جو خدا کے مسیح کو دیکھ کر اپنے نفسوں سے فارغ ہو گئے۔ دُنیا کو تین طلاق دے دیں اور دن رات محض اپنے خدا کی محبّت میں اور خدمتِ دین کرتے ہوئے گزار دیئے۔ جو شخص دُنیا کے خیالات سے بالا ہو سکتا ہے بس سمجھ لو کہ اگر کچھ پایا ہے تو اُسی نے۔

ضمناً ایک بات کا ذکر کر دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ یہ عاجز رمضان شریف کے آخری عشرہ میں قادیان میں تھا۔ ایک رات شدّت سے احساس ہوا کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔ صبح نماز کے بعد حضرت حافظ صاحبؓ کے ساتھ مسجد مبارک سے نکلا تو اُن سے پوچھا۔ آپؓ نے فرمایا یہی رات جو گزری ہے لیلۃ القدر تھی۔ اس سے اِس عاجز کی تسلّی ہو گئی۔

حضرت حافظ صاحبؓ نے بعض بڑے بڑے مناظرے بھی کئے اور سلسلہ کی صداقت میں تقاریر بھی ہمیشہ کیں۔ بڑی پُر مذاق طبیعت تھی۔ ایک دفعہ گوردا سپور میں ایک تقریر کی۔ رات کو خاصی دیر

ہوگئی اور بہت سے حاضرین سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ آپؓ نے تقریر ختم کرلی تو زور سے ہاتھ میز پر مار کر فرمایا دوستو اب اُٹھ کھڑے ہو میری تقریر ختم ہوگئی ہے۔ سب ہنس پڑے۔

قرآنی علوم میں آپؓ نے خاص خدمت سرانجام دی۔ آپؓ کا غضب کا حافظہ صرف خدمتِ دین کے لئے استعمال ہوا۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا بھی یہی حال تھا۔ علی درجہ ذہین اور نکتہ رس لیکن سب ذہانت دین اور صرف دین کے لئے صرف ہوئی۔ معمولی سے گذارے پر ساری عمر گزار دی۔ آپؓ کی خاندانی وجاہت آپؓ کے لئے بہت کچھ سہولتیں دنیوی زندگی میں پیدا کرسکتی تھی لیکن آپؓ نے فقر اختیار کیا۔ اور اپنی ساری طاقتیں خدمتِ دین اور اپنے خدا کو راضی کرنے میں لگا دیں۔ ہم نے آپؓ کو ساری ساری رات کام کرتے دیکھا۔ سلسلہ کے بڑے اہم کام آپؓ کے سپرد ہوتے اور انہیں پوری جانفشانی سے سرانجام دیتے۔ کبھی دُنیا کی طرف نگاہ نہ کی۔ پیوند لگا کر کپڑے پہن لیتے لیکن چہرے پر وہی بلندی نظر آتی۔ حدیث پر اس قدر عبور تھا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امّی کی مجالس کا پورا نقشہ کھینچ دیتے اور آپؐ کی پیاری باتیں بڑی لذت سے بیان کرتے۔ آپؓ کے بیان میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ بات خود بخود دل میں اُتر جاتی اور بسا اوقات آنکھوں میں آنسو لے آتی۔ غریبوں کا بڑا خیال رکھتے۔ دلداری کا پہلو بہت غالب تھا۔ مہمانوں اور دوسروں کے باریک احساسات کو بھی صدمہ نہ پہنچاتے۔ دل بہت شفیق پایا تھا۔ خاکسار کو انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا اور ہمیشہ لطف اُٹھایا۔ آپ جیسے لوگوں کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا زندہ نشان تھا۔ ایسے پاکیزہ اخلاق والے لوگ دنیا کہاں سے لائے گی۔ کاش ان لوگوں کے جانشین اسی طرح سے دین کی رونق کو قائم رکھیں۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ اسی پاکبازوں کے گروہ کے ایک کمیاب گوہر تھے۔ آپؓ نے ابتدائے صدی میں بی۔ اے کیا اور ساری عمر خدمتِ سلسلہ میں گزار دی۔ طبیعت نہایت درجہ سادہ لیکن لیاقت میں ایسے کہ انگریزی تفسیر القرآن میں سب سے زیادہ کام کیا۔ ریویو انگریزی کی ایڈیٹری بھی خوب کامیاب طور پر کی۔ ایک دفعہ مسٹر منوہر لال وزیرِ مالیات ہندوستان نے خاکسار کو کہا کہ حضرت مولوی صاحب ایسے لائق شمار ہوتے تھے کہ اگر دُنیا کی طرف جاتے تو اُن سے بڑے عہدہ پر ہوتے۔ لیکن آپؓ نے دینی خدمت کی خاطر درویشانہ زندگی گزاری۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ واقعی فرشتہ ہیں اور دُنیا کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں رکھتے۔ خدمتِ دینی اور عبادتِ الٰہی دو ہی شغل تھے۔ عبادتِ الٰہی نے آپؓ میں ایک خاص کشش پیدا کردی تھی۔ ایک دفعہ خاکسار اور خاکسار کے ایک دوست نے آپؓ کی خدمت

میں عرض کیا کہ ہم روزوں کے آخری عشرہ میں نمازِ تہجد آپ کی امامت میں ادا کیا کریں گے۔ آپؓ نے اسے منظور فرمایا اور قادیان میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہاں خود تشریف لا کر نماز تہجد پڑھاتے۔ سورۃ فاتحہ کی ایک ایک آیت کو بہت بہت مرتبہ دُہراتے اور آواز میں عجیب رقت ہوتی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو تفسیر انگریزی کی تکمیل کے لئے انگلستان بھی بھیجا۔ اس میں یہ بھی مدّنظر تھا کہ وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی کو بھی دیکھ لیں۔ آپؓ کی شخصیت میں ایسا وقار تھا کہ ایک مرتبہ محترم ملک عمر علی صاحب مرحوم رئیس ملتان کے چچا ملک نصیر بخش صاحب قادیان گئے۔ وہ بہت موٹے تھے اور بیٹھے ہوئے ہوتے تو بغیر کافی سہاروں کے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ ایک روز حضرت مولوی صاحبؓ تبلیغ کی غرض سے ملک نصیر بخش صاحب کے پاس گئے تو وہ حضرت مولوی صاحبؓ کو دیکھتے ہی بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

وقت کی قلت کی وجہ سے مَیں چند ایک صحابہ کا ذکر کرتا ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوتِ قدسی نے اس قسم کے ہزاروں آدمی پیدا کر دیئے جو رُوحانی دُنیا کے لئے رونق بنے اور جن کے پاس بیٹھنے والے لطف اندوز ہوتے رہے۔

حضرت پیر منظور محمد صاحب رضی اللہ عنہ قاعدہ یسرنا القرآن کے موجد تھے۔ اس قاعدہ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ سینکڑوں روپے ماہوار اُس زمانہ میں آپؓ کی آمد ہوتی لیکن آپؓ کی دین کے لئے قربانی کا یہ حال تھا کہ صرف -/۲۰ روپے ماہوار اپنے اخراجات کے لئے رکھتے اور باقی سب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اشاعتِ قرآن کریم اور اشاعتِ اسلام کے لئے بھیج دیتے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد جب گرانی ہو گئی تو -/۴۰ روپے ماہوار رکھنے شروع کر دیئے اور ایک سال میں دس ہزار روپیہ خدمتِ دین کے لئے دیا۔ وہ خود ٹانگوں سے معذور ہو جانے کی وجہ سے باہر نہیں آ سکتے تھے اس لئے یہ عاجز اُن کی خدمت میں اُن کے مکان پر ہی حاضر ہوتا رہتا اور اُن کی باتوں سے لطف اُٹھاتا تھا۔ صرف ایک کمرہ تھا جس میں اُن کی چارپائی بھی ہوتی تھی اور اُن کا کلرک بھی بیٹھتا تھا۔ وہی سونے کا کمرہ تھا، وہی بیٹھک اور وہی دفتر۔ اس میں سارا پڑا ہوا سامان چالیس پچاس روپے سے زیادہ کا نہ ہوتا تھا۔ لیکن ایک ایک سال میں دس دس ہزار روپیہ سلسلہ کی ضروریات کے لئے بھیج دیتے تھے۔ وہ اگر چاہتے تو عالیشان مکان بنا لیتے اور اُسے اچھی طرح سے سجا لیتے لیکن اپنی ذات کے لئے سادگی اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اسی کی تسکین میں لذت پاتے تھے اور خود کو فراموش کئے ہوئے تھے۔ ذرا اس قسم کے لوگ دنیا میں تلاش تو کر کے دیکھو، کیا کہیں مل سکتے ہیں؟ جب پاکستان

وجود میں آیا تو لاہور لے جانے کے لئے آپ کو بھی کمرے سے باہر لایا گیا۔ آپؓ نے جب اتنے سالوں بعد قادیان کی ترقی دیکھی کہ چاروں طرف اس قدر پھیل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بار بار حمد کی کہ اس نے اپنی پیشگوئیوں کو کس شان کے ساتھ پورا کیا۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ عنہ۔ آپؓ ہندو قوم سے تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل چودہ پندرہ سال کی عمر میں احمدیت قبول کرنے کی توفیق دی۔ والدین کی طرف سے بہت سختیاں برداشت کیں لیکن پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ اچھے بھلے کھاتے پیتے خاندان سے تھے لیکن دین کی خاطر تنگی کو دنیا کی فراخی پر ترجیح دی۔ معمولی معمولی کاموں سے اپنا گزارہ کرتے رہے اور خدمتِ دین کو مقدم رکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد مبارک میں پہرہ دینے، بٹالہ سے ڈاک تار لانے لے جانے، لنگرخانہ کے لئے چیزیں فراہم کرنے اور سفروں میں حضورؑ کی رفاقت کرنے کی خدمات وقتاً فوقتاً آپؓ سے لی جاتی رہیں۔ بہت سے ہنگامی کاموں میں آپؓ کو بھیجا جاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر آپؓ کے جسدِ مبارک کی آخری زیارت کا کام بھی آپؓ کے سپرد ہوا۔ خلافتِ اولیٰ اور خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں بھی آپ بڑی مستعدی سے مختلف کام سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی ساری عمر اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدمتِ دین میں گزری۔

آپ بڑے غیرت مند تھے سخت تنگی کی حالت میں بھی دستِ سوال دراز نہ کرتے تھے اور برداشت کرتے تھے۔ آپ کو مل کر ایک راحت ہوتی تھی۔ اس عاجز کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک سکھ کی طرف سے میرے اور ایک اور معزز دوست کے خلاف ایک مقدمہ بنا دیا گیا جو خدا کے فضل سے عدالت میں جانے سے قبل ہی میرے خلاف تو واپس لے لیا گیا اور وہ دوست بھی جلد ہی بری ہو گئے اس کے دوران ایک دفعہ حضرت بھائی صاحب مجھے اپنے مکان کے سامنے لے گئے اور فرمانے لگے اور تو میرے پاس کچھ نہیں یہی مکان ہے اگر آپ کو ضرورت پڑے تو آپ جس وقت چاہیں اسے فروخت کر کے ضرورت کو پورا کر لیں۔ مجھے خدا کے فضل سے اس کی ضرورت نہ تھی لیکن انہوں نے اپنی طرف سے اظہارِ محبت فرما دیا۔ تو یہ لوگ اپنے اندر عجیب رنگ رکھتے تھے۔

حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ رضی اللہ عنہ۔ آپؓ بھی لڑکپن میں ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ اُن کے والد ڈاکٹر تھے۔ اُن کی طرف سے بڑی اذیتیں دی گئیں تا وہ واپس اپنے مذہب میں چلے جائیں لیکن انہوں نے ان سب تکالیف کو برداشت کیا اور اُن سے پیچھا چھڑا کر قادیان پہنچ گئے۔ اور پھر ساری عمر تبلیغِ احمدیت میں گزار دی۔ آپؓ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے بڑی تاثیر رکھی تھی۔ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمیں شیخ صاحب جیسے مبلغ چاہئیں۔ گزارے کے لئے آپؓ معمولی سے معمولی کام بھی اختیار کرتے رہے۔ کبھی گنے بیچتے اور کبھی دودھ۔ بڑی دعائیں کرنے والے اور صاحب الہام بزرگ تھے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ عنہ آپؓ سے بہت تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ بہت متوکلانہ شان رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرف سے آپؓ کی ضرورت کو پورا کر دیتا تھا۔ حضرت نواب صاحب رضی اللہ عنہ بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ اس عاجز کو آپؓ کی خدمت میں بہت مرتبہ حاضر ہونے کا موقعہ ملتا۔ آپؓ ہمیشہ سلسلہ کی ترقی کے متعلق ہی سوچتے رہتے، اس کے لئے دعائیں بھی بہت کرتے۔

مَیں صرف چند ایک مثالیں دے سکا ہوں ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاک صحبت نے عجیب عجیب گوہر پیدا کئے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے اور انسانی قلوب کو گرماتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کی اُن پر اَن گنت رحمتیں ہوں ؛

بیعت کی حقیقت کا عملی اظہار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

" آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے سے جب (وہ لوگ) اسلام میں داخل ہوئے تو ایسی محبّتِ الٰہی اور وحدت کی رُوح ان میں پیدا ہوگئی کہ ہر ایک خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ انہوں نے بیعت کی حقیقت کو ظاہر کر دیا اور اپنے عمل سے اس کا نمونہ دکھا دیا۔ ۔ ۔ ۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک کشش اور جذب ہے۔ وہ جذب اللہ تعالیٰ اپنے کامل نبی میں رکھ دیتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے کس قدر وفاداری کا نمونہ دکھایا جس کی نظیر نہ پہلے تھی نہ آگے دکھائی دیتی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ چاہے تو پھر بھی ویسا ہی کر سکتا ہے۔ ان نمونوں سے دوسروں کے لئے فائدہ ہے۔ اِس جماعت میں خدا تعالیٰ ایسے نمونے پیدا کر سکتا ہے "

(ملفوظات جلد ہفتم صہ ۴۳۱ تا صہ ۴۳۳)

صحابۂ کرام حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

کی

مہمان نوازی، ایثار اور ہمدردی خلائق کے نمونے!

خدا تعالیٰ کی یہ قدیمی سنّت ہے کہ بنی نوع انسان کے اخلاق کی تعمیر اور تزکیۂ نفوس کے لئے وہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا رہا ہے۔ نبیوں کے اس مقدس گروہ کے سرتاج اور رسولوں کے فخر، ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت امام الاصفیاء والاتقیاء مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خُلقِ عظیم کا وارث قرار دیا اور سرزمینِ حجاز گواہ ہے کہ اس کے باشندے آپؐ کی بعثت سے قبل یا تو ننگِ انسانیت تھے یا آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ اور انفاسِ قدسیہ نے اُن میں یہ انقلاب پیدا کر دیا کہ وہ طاعت لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے مجسمے بن گئے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ کہ میرے صحابہ کی اقتداء تمہیں راہِ راست پر رکھے گی۔

صحابہؓ کا یہ دَور تاریخِ انسانیت میں نہایت درخشاں اور تاباں دَور تھا۔ اس کے گزر جانے کے بعد آہستہ آہستہ مسلمانوں کے اخلاق بگڑنے لگے اور ان میں رُوحانی کمزوری آتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جس کی بابت خود اصدق الصادقین حضرت خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میری اُمّت پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایمان صحن سینہ سے اُٹھ کر ثریا پر چلا جائے گا، ضلالِ مبین کی گھٹائیں دُنیا پر پھر چھا جائیں گی اور زمانہ تقاضا کرے گا کہ انوارِ محمدیہ کے قریب لوگوں کو لایا جائے یا انوارِ محمدیہ اُن کے قلوب تک پہنچائے جائیں۔ اس امر کے لئے آپؐ نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ ایک رجلِ فارس میری اُمّت میں آئے گا اور اُس کے ذریعہ خدا آسمانی انوار کو زمین پر پھیلائے گا اور وہ خُلقِ محمدی کا وارث ہوگا اور جو لوگ اُس کی اتباع کریں گے اور اس کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے توبۃ النصوح کریں گے اور اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچانے والے ہوں گے وہ بموجب پیشگوئی وَاٰخَرِیْنَ

مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ صحابہؓ کی اس جماعت میں شمار ہوں گے جو آخری عہدِ سعادت میں ظاہر ہونے والی ہے۔

جماعتِ احمدیہ کو ایک یہ بھی امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ اس کی بنیاد خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اس موعود رجلِ فارس یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ رکھی ہے جس کا مسیح الاسلام اور بروزِ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر آنا اسلامی پیشگوئیوں میں مقدّر تھا۔ یہ وہی صبحِ صادق کا ظہور ہے جس کی اُمّت چشم براہ تھی ۔ اور یہ وہی وجود باجود ہے جس کے ذریعہ انوارِ محمدیہ کو خدا تعالیٰ نے دُنیا میں پھیلانے کا کام سپرد کیا ہے۔ آپؑ خود فرماتے ہیں ؎

لیکن آئینہ ام زِ ربِّ غنی ✤ از پئے صورتِ مہِ مدنیؐ

چونکہ انوارِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پھیلانے کے لئے آپؑ کا وجود بمنزلہ آئینہ کے ہے اس لئے جن وجودوں کو آپؑ کی ذاتِ عالی برکات سے روشنی ملی اُن میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا کہ وہ تمام کے تمام اوّلین صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ اُن کا چال چلن اور دینی شغف اور زندگی کی روِش بتاتی ہے کہ یہ جماعت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی مصداق ہے۔

اِس وقت میں صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ میں سے مہمان نوازی، ایثار اور ہمدردئ خلائق کے چند نمونے بطور مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مہمان نوازی

اسلامی معاشرہ میں مہمان نوازی کو بہترین خُلق قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب مبعوث فرمایا اور اصلاحِ خلائق کے لئے مامور فرمایا تو ساتھ ہی یہ اطلاع بھی دی کہ بکثرت لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور یہ بھی بتایا کہ ان سے تھکنا یا گھبرانا نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ آپؑ کے دعویٰ کو سُن کر دُور دُور سے لوگ آنے لگے۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کے لئے اور صحیح انتظام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق جو "ہرچہ باید نوعروسی را ہمہ سامان کنیم" میں کیا تھا۔ حضرت سیّدہ نصرت جہاں رضی اللہ عنہا کو آپؑ کے نکاح میں لاکر انتظام کر دیا۔ مہمان دن کو، رات کو، پیدل بھی اور سوار بھی آجاتے تھے حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا نے کبھی اُن کے بے وقت آنے کی نہ تو شکایت کی اور نہ ہی دل میں تنگی محسوس کی بلکہ ہر فرد کے آنے پر آپؑ خوش ہوتا

محسوس فرماتیں اور نہایت اہتمام اور شفقت و رحمت کے ساتھ دامن کو اتنا وسیع کرتیں کہ آنیوالا اپنے گھر سے زیادہ راحت پاتا۔ آپ کی مہمان نوازی کے واقعات اور عجائبات بے انتہا ہیں۔ حضرت میاں شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-

"ابتدائی زمانہ میں جبکہ مہمانوں کی تعداد ابھی تھوڑی تھی حضور مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ مسجد مبارک کے جانب شمال دیوار کے ساتھ دستر خوان بچھ جایا کرتا تھا اور اس پر آپ دیوار کی جانب بیٹھتے تھے۔ دوسرے لوگ کچھ دیوار کی طرف اور کچھ آپ کے مقابل پر بیٹھتے تھے۔ اس زمانہ میں کھانا گھر میں پکا کرتا تھا اور اندر سے باہر آجاتا تھا۔ ایک دفعہ مہمانوں کو سالن اچھا نہ ہونے کی شکایت پیدا ہوئی۔ اس پر حضرت اماں جان رضی نے مہمانوں کے لئے اپنے ہاتھ سے چنے کی دال پکا کر بھجوائی وہ دال گھوٹی ہوئی تھی اور بڑی لذیذ تھی۔"

حضرت اماں جانؓ کو مہمانوں کی خدمت اور ان کو ہر قسم کا آرام پہنچانے کا کس درجہ خیال رہتا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا :-

"مہمان نوازی بھی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا طرۂ امتیاز تھا۔ اپنے عزیزوں اور دوسرے لوگوں کو اکثر کھانے پر بلاتی رہتی تھیں اور اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تھی تو اُن کے گھروں میں بھی بھجوا دیتی تھیں۔ خاکسار راقم الحروف کو علیحدہ گھر ہونے کے باوجود حضرت اماں جانؓ نے اتنی دفعہ کھانا بھجوایا ہے کہ اس کا شمار ناممکن ہے۔ اگر کوئی عزیز یا کوئی دوسری خاتون کھانے کے وقت حضرت اماں جانؓ کے گھر آجاتی تھیں تو حضرت اماں جان کا اصرار ہوتا تھا کہ کھانا کھا کر واپس جائیں۔ چنانچہ اکثر اوقات زبردستی روک لیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہمان نوازی اُن کی رُوح کی غذا ہے۔ عیدوں کے موقعہ پر حضرت اماں جانؓ کا دستور تھا کہ اپنے سارے خاندان کو اپنے پاس کھانے کی دعوت دیتی تھیں۔ اور ایسے موقعہ پر کھانا پکوانے اور کھانا کھلانے کی بذاتِ خود نگرانی فرماتی تھیں اور اس بات کا بھی خیال رکھتی تھیں کہ فلاں عزیز کو کیا چیز مرغوب ہے اور اس صورت میں حتی الوسع وہ چیز ضرور پکواتی تھیں۔"

محترمہ امۃ اللہ بشیرہ بیگم صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ حیدرآباد دکن نے تحریر فرمایا :-

"باوجود اس کے کہ میں ایک طویل زمانے تک خدمت میں حاضر رہی لیکن مجھے وہ اپنا

روز رات کو جب دونوں بھائی گھر میں اکٹھے ہوئے تو چوہدری صاحبؓ کے آنے کا ذکر ہوا اور خصوصاً اس فرمائش کا بھی ذکر آیا۔ اس پر میرے والد صاحبؓ نے کہا الحمدللہ خدا تعالیٰ نے ہمیں خدمت کا موقع دیا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ گائے تو خدا تعالیٰ نے پہلے ہی بغیر ہماری خواہش و ارادہ کے ہمیں دی ہوئی ہے اس کو حضرت صاحب کے حضور پیش کر دیا جائے۔

خدا کے مسیحؑ کی خاطر ہمیں ثواب کے موقعہ کی بہم رسانی کے لئے یہ حُسنِ اتفاق تھا کہ بدوملہی کے ایک ہندو صراف آریہ سماجی تھے (جو اس واقعہ سے چند سال پہلے میرے دوسرے بڑے تایا جی مولوی محمد علی صاحبؓ کے ساتھ قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کر چکے تھے بلکہ انہوں نے ۱۹۰۴ء کے لیکچر سیالکوٹ کو بھی سیالکوٹ جا کر سُنا تھا۔) اس ہندو صراف نے اس گفتگو سے پندرہ بیس دن پہلے دوستانہ رنگ میں میرے ابا جی اور تایا جی کو وہ گائے بغیر ہماری خواہش یا ارادے کے بھیجدی تھی اور کہا تھا کہ یہ بہت اصیل ہے اور یہ کہ انہیں خود ضرورت نہیں ہے کیونکہ اُن کے پاس پہلے سے ایک گائے موجود ہے اور یہ کہ ملی بھی سستی ہے یعنی صرف ۲۵/۰ روپے میں اس لئے یہ تم لے لو۔ جب دونوں بھائی اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس گائے کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور بھیج دیا جائے بلکہ جلدی ہی دوسرے یا تیسرے دن روانہ کر دی جائے تو میری تائی صاحبہ اور میری والدہ صاحبہ دونوں نے کہا جلدی نہ کرو ہمیں اس کی ٹہل کرنے دو۔ کم از کم سات دن تو اسے رہنے دیا جاوے کہ چارہ کھلا کر اسے اچھی صحت میں پیش کیا جا سکے۔ چنانچہ دونوں بھائی مان گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کے بعد میں بھی اُن کے ساتھ شریک ہو کر اُس گائے کو اور اس کے بچے کو جو ایک یا ڈیڑھ ماہ کا تھا نہلایا کرتا تھا وہ اس کے چارے کا بڑے اہتمام سے انتظام کرتی رہیں۔ سات یا دس دن کے بعد انہوں نے اس پر مہندی رنگ کے نشان بھی لگائے جیسے قربانی کے مینڈھوں پر بعض دفعہ قربانی دینے والے لگاتے ہیں۔ پھر اس کو بابا الہ دین حجام احمدی کے ساتھ جو ہمارے گھرانے کا قدیمی ہمدرد تھا قادیان بھیج دیا گیا کہ وہ منزل بمنزل تین چار روز میں اُسے قادیان لے کر پہنچے۔ تین چار دن بعد تایا جی بدوملہی سے براستہ امرتسر روانہ ہو کر قادیان پہنچے اور وہ گائے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دی۔ میرے تایا جی مرحوم و مغفورؓ کا بیان ہے کہ حضورؑ جب مسجد میں تشریف لائے اور ملاقات ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "آپ نے تو صحابہؓ والا کام کیا۔ جزاکم اللہ"

جب گائے کو روانہ کیا گیا تو میں اسکول گیا ہوا تھا۔ اُن دنوں پرائمری اسکول روزانہ صبح ہی لگ جاتے اور چار یا پانچ بجے شام تک کھلے رہتے تھے درمیان میں کچھ چھٹی ہو جاتی تھی۔ میں شام کو گھر آیا اور گائے کو

اُس کی جگہ پر نہ پایا تو والدہ صاحبہ سے پُوچھا کہ گائے کیا ہوئی۔ اُنہوں نے فرمایا کہ قادیان بھیج دی ہے۔ مَیں نے کہا کِس کے پاس؟ تب تائی جی نے بالتفصیل دس دن پہلے کی بات مجھے یاد کرا کے بتایا کہ اُس دن جو مشورہ ہُوا تھا کہ حضرت صاحب کے حضور اسے پیش کیا جائے اِسی وجہ سے تو ہم اس کی خدمت کرتے تھے ورنہ دوسرے جانور یعنی بھینس کی ہم ایسی خدمت نہیں کرتے۔ تب مَیں نے اصرار شروع کیا کہ مَیں نے اُن حضرت صاحب کو دیکھنا ہے، مَیں نے قادیان جانا ہے۔ یہ اصرار اتنا بڑھا کہ جولائی میں پھر میرے وہی تایا جی اور تائی صاحبہ مجھے ساتھ لے کر قادیان آئے۔ تایا جی کے ہاں اُن دنوں اولادِ نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے تائی جی کا پیار میرے ساتھ زیادہ تھا اس لئے تائی جی عموماً میری ضدیں پوری کر دیتی تھیں۔

مجھے اُس سفر کی بہت سی اور باتیں بھی اب تک یاد ہیں مگر اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ قادیان میں جب ہم پہنچے تو خوب بارش ہو رہی تھی۔ اُس وقت اِکوں کا رواج تھا۔ اِکہ پر بڑی مشکل سے ہم تینوں نفوس بیٹھے تھے۔ وہ اِکہ چھتری دار اونچا تو بہت ہوتا تھا مگر سواری کے بیٹھنے کی جگہ تھوڑی ہوتی تھی اور سامان رکھنے کی جگہ سواری کے نیچے ہوتی تھی۔ چوک میں اِکہ ٹھہرتے ہی ہم گول کمرے کی سیڑھیوں کی طرف پہنچے۔ تایا جی تو اُوپر مسجد کی سیڑھیوں کی طرف چلے گئے مگر ہم دونوں گول کمرہ کا سیڑھیوں والا دروازہ کھُل جانے سے گول کمرہ میں چلے گئے۔ گول کمرہ میں اُن دنوں حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب مرحوم ومغفور رضی اللہ عنہ مع اپنے دو چھوٹے بچوں اور حضرت بیگم صاحبہؓ قیام فرما تھے۔ چونکہ حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحبؓ اُن دنوں رعیہ خاص ضلع سیالکوٹ کے ہاسپٹل میں ہوتے تھے اس لئے بڈو ملہی سے ڈھائی میل پر ہونے کی وجہ سے ہمارا اُن کے ہاں آنا جانا بہت تھا۔ میرے تایا و والدہ صاحبان سے حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کو اور میری تائی و والدہ صاحبہ سے حضرت والدہ سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب کو اچھی واقفیت اور شناسائی تھی۔ اُن دنوں حضرت سیّدہ مریم بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہؓ جو بعد میں حضرت اُمِّ طاہر کی کنیت سے مشہور ہوئیں غالباً اپنی والدہ کی گود میں تھیں اور سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب میری عمر کے لگ بھگ تھے۔ حضرت بیگم صاحبہ نے جلد جلد ہمارے کپڑے بدلوا دیئے۔ گول کمرے کے اندر کے دروازے کی طرف سے تھوڑی دیر بعد ایک بزرگ خاتون اچھے لباس میں تشریف لائیں جن کی آمد پر حضرت سیّدہ والدہ عبدالرزاق شاہ صاحب اور میری تائی جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے پوچھا کہ مہمانوں کے کپڑے بدلوا دیئے؟ حضرت بیگم صاحبہ نے عرض کی کہ بدلوا دیئے ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا مہمان کہاں سے آئے ہیں؟ تو حضرت بیگم صاحبہ نے (مَیں، میرے والد، والدہ

تائی، تایا صاحب والدہ سید عبدالرزاق صاحب کو بے بے جی ہی کہا کرتے تھے، اس سے پہلے اور بعد بھی) کہا ہمارے پڑوس بڈ وہلی سے آئے ہیں اور یہ بھی عرض کی، ہم ان سے واقف ہیں۔ پھر وہ چلی گئیں۔ مَیں نے تائی جی سے پوچھا یہ کون تھیں؟ جس پر تائی جی نے کہا یہ بڑی اماں جی تھیں (یعنی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا)۔ حضرت سیّدہ امّاں جان رضی اللہ عنہا اُس وقت نہایت گہرے سبز رنگ کا چوڑی دار پاجامہ جو کسی ریشمی کپڑے کا تھا زیبِ تن فرمائے تھیں اور قمیص و دوپٹہ کسی اَور رنگ کے مگر اُن کا رنگ کچھ ہلکا تھا۔ آپؓ جلدی ہی واپس تشریف لے گئیں۔

اِس کے بعد ظہر کی نماز میں ہی مَیں نے بھی مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور حضورؑ کے بائیں ہاتھ مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

اُن دنوں حضور علیہ السلام مسجد مبارک میں اُس کھڑکی سے تشریف لایا کرتے تھے جس کھڑکی پر بعد میں خلافتِ اُولیٰ سے ہی دبیز موٹا بلکہ رُوئی دار پردہ لٹکا رہتا تھا بلکہ اب بھی لٹکا رہتا ہے۔ اور وہ دروازہ جو آجکل چھوٹی سیڑھیوں کے ساتھ ہی مسجد میں لگا ہوا ہے وہ نہ تھا اور مسجد میں صرف پانچ نفوس یا پتلے دُبلے ہوتے تو چھ نفوس کی ایک قطار ہوتی تھی۔ آگے پیچھے چھ سات قطاریں تھیں۔ مَیں عموماً اُس کھڑکی کے پاس ایک آدمی کی جگہ چھوڑ کر بیٹھ جایا کرتا اور جونہی خدا تعالیٰ کے پیارے مسیحؑ (اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار برکات آپ کے متبوع صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُن کے طفیل خود حضور مسیح موعود علیہ السلام پر بھی ہوں) تشریف لاتے تو مَیں اُن کے بائیں ہاتھ ساتھ سمٹ کر کھڑا ہو جاتا۔ مَیں آٹھ دس دن برابر ظہر و عصر کی نمازوں میں ساتھ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضورؑ دیوار سے ٹیک لگا لیتے اور سب صحابہؓ ذرا ہٹ کر دائرہ کی شکل میں بیٹھ جاتے۔

واقعاتی رنگ میں جو بات میرے سامنے آئی اور اُس میں کسی قسم کا تعجب یا غور کا پہلو ہوا تو مجھے وہ واقعہ یاد رہ گیا ورنہ حضورؑ کے کلماتِ طیبات یاد رکھنے بلکہ بہت سے کلمات سمجھنے کی بھی قابلیت نہ تھی اسلئے مَیں حضورؑ کے پاک کلمات بیان کرنے سے قطعی قاصر ہوں صرف واقعات ہی بیان کر سکتا ہوں۔

ایک دن کسی نماز ظہر یا عصر کے بعد ایسا ہوا کہ جونہی سلام پھیرا گیا تو پچھلی صفوں میں کچھ حرکت ہوئی مڑ کر مَیں نے دیکھا کہ ایک بابا لمبے قد اور لال داڑھی والا اُس جگہ بقیہ نماز کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا جو رہ گئی تھی تو جلدی سے پچھلی صف والوں نے اُن کے آگے اور پاس سے جُوتیاں ہٹا دیں اور جُوتیاں ہٹانے والے کچھ فکر مند معلوم ہوتے کیونکہ وہ اُس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں اندر کی سیڑھیوں سے آنیوالے اپنی جُوتیاں اُتارتے تھے۔ مجھے تعجب ہوا تو اپنے والد صاحبؓ سے (جو ہم کو واپس لانے کے لئے ابھی قادیان پہنچ

چکے تھے) پوچھا کہ یہ بابا کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ "یہ بڑے مولوی صاحب ہیں" دیر سے آئے اور وہیں کھڑے ہو گئے۔ پھر اُسی دن یہ نظارہ بھی ہوا کہ بڑے مولوی صاحب تو نماز پڑھ کر وہیں بیٹھ گئے اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "مولوی صاحب" کا لفظ فرما کر اُدھر توجہ فرمائی تو وہ باباجی فوراً اُٹھ کر حضورؑ کی خدمت میں پاس آ گئے۔ یہ "باباجی" حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ تھے۔

مَیں نماز کے بعد اکثر اُس کھڑکی میں آ جاتا جو مسجد مبارک کی بائیں دیوار یعنی دکھنی دیوار میں تھی یا اُس کھڑکی کے اندر یا کھڑکی کے ساتھ۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق بھی ہوا کہ حضورؑ جب کھڑکی سے مسجد میں تشریف لانے لگے تو ابھی اندر کی کُنڈی ذرا سی ہلی تو مَیں کھڑا ہو گیا اور حضورؑ نے قدم اندر رکھتے ہی سر مبارک اونچا اُٹھایا تو اُوپر کا حصّہ حضورؑ کے عمامہ مبارک سے لگا جس سے وہ عمامہ ذرا پیچھے کو ہٹ گیا۔ میرے اباجی نے مجھے پکڑ کر اُس بائیں جانب والی کھڑکی میں کر دیا اور خود حضورؑ کے ساتھ ہو گئے۔ بعد میں مجھے سمجھایا کہ جب دوسرے لوگ اُٹھا کریں تب تم بھی اُٹھو اتنی جلدی نہ کرنی چاہیئے۔

یہ کھڑکی جس کا مَیں نے ذکر کیا ہے اس سے باہر دیکھنے پر وہ جگہ نظر آتی تھی (جہاں بعد میں دفتر محاسب دآڈیٹر تھا) وہاں پہلے کوڑا کرکٹ ہوتا تھا۔ چنانچہ اُسی سال بعد میں اس حصّے پر چھت ڈال کر نیچے دفتر اور اُوپر مسجد مبارک کی توسیع عمل میں آئی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ چند اصحاب کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے ہوتے ہوئے وہاں مسجد میں کھانا تناول فرمایا۔ یعنی اُن دس بارہ دنوں میں جب مَیں وہاں تھا۔ یہ واقعہ ایک دن ہی ہوا۔ غالباً چار آدمی اَور تھے۔ مَیں نے دیکھا حضورؑ لقمہ کے کئی ٹکڑے کرتے تھے اور پھر ایک آدھ مُنہ میں ڈالتے۔ کبھی حضورؑ سالن کی پلیٹ تک ہاتھ لے جاتے اور کبھی وہ خشک ٹکڑا ہی مُنہ میں ڈال لیتے۔ مَیں نے بہت تعجب کیا اور اپنی تائی صاحبہ سے گول کمرہ میں آ کر پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا اِس طرح کھانا کھاتے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ پھر کہا اُن کو خدا کھلاتا ہے۔ یہ بات مجھے اُس وقت بالکل سمجھ نہ آئی مگر مَیں چُپ رہا۔

مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ نماز کے بعد جب حضورؑ مسجد میں بیٹھتے تو اپنی پگڑی کا شملہ اپنے دہن مبارک کے سامنے کبھی کبھی رکھ لیتے

ایک دفعہ ایسا بھی دیکھا کہ حضورؑ نے کوئی بات فرماتے فرماتے اپنا دایاں ہاتھ ذرا اُوپر کو اُٹھا کر ران پر مارا۔

ایک دفعہ یہ واقعہ بھی مجھے یاد ہے کہ حضرت اماں جی والے صحن سے شمالی جانب جو دوسرا صحن تھا

وہ ڈیڑھ سیڑھی اونچا تھا۔ اسی اونچے صحن میں مغرب سے نصف گھنٹہ قبل ایک بڑی چارپائی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحبِ فراش تھے اور قبلہ کی طرف سرہانے کے قریب ایک بڑا پیہڑا جو دلہنوں کو جہیز میں دینے کا رواج تھا وہ بھی رکھا تھا اس پر حضرت امّاں جان رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں اور شعائر اللہ میں سے ایک صاحبزادی صاحبہ جو مجھ سے بہر حال بڑی تھیں وہ سرہانے والے دائیں پائے اور کچھ حصہ پٹی پر بیٹھی تھیں نوّر اللہ وجھھا و بارک فی حیاتھا۔ تو میں نے اس صحن میں قدم رکھتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاؤں دبانے شروع کر دئے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا یہ بچہ کون ہے؟ اس پر حضرت اماں جان اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ بدوملہی کے مہمانوں کا لڑکا ہے جو گول کمرہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

میں نے اسی صحن میں دکھنی جانب اور اس صحن میں داخلہ والے دروازے کے مغربی جانب ایک کمرے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ٹہلتے ہوئے قلم کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ باہر چق لٹکتی تھی اور ایک بڑھیا بیٹھی وہ رسّی ہلا رہی تھی جو اس کمرے کے پنکھے کی تھی۔

ہم قادیان میں دس بارہ دن رہے پھر واپس آگئے۔ اس اثناء میں تایا جی تو جلدی واپس آگئے تھے بعد میں ابا جی قادیان جاکر ہمیں لائے تھے۔

دوسری بار خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے اسی سال جلسہ سالانہ پر والد کے ساتھ قادیان جانے اور بعد میں ایک دو دن رہنے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونے کا موقعہ عنایت فرمایا وللہ الحمد۔

جلسہ سالانہ کی تقریریں مسجد اقصیٰ کے پرانے حصے میں تھیں۔ مجھے صرف ایک دو لفظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یاد ہیں جب آپ نے "چار لاکھ" کا لفظ فرمایا لہذا فقرہ میں نقل نہیں کر سکتا۔ یا تو یہ فرمایا کہ اب بیعت کرنے والوں کی تعداد "چار لاکھ" ہو گئی ہے یا یہ فرمایا کہ ہمارا سلسلہ "چار لاکھ" تک پھیل گیا ہے۔ "چار لاکھ" کے لفظ سے مجھے چونکہ حیرت ہوئی اس لئے یہ لفظ مجھے یاد رہے۔

ایک دن جلسہ کے بعد حضورؑ سیر کو نکلے اور ہندوؤں والے بازار سے باہر ریتی چھلّہ کے بوہڑ کے درخت تک جا سکے۔ دو بار حضورؑ کے دستِ مبارک سے آپؑ کی چھڑی گری جو کوئی دوسرا صحابی بعد میں آپؑ تک پہنچاتا تھا۔ میرا بازو میرے والد صاحب نے تھاما ہوا تھا۔ بوہڑ کے قریب یا نیچے پہنچ کر حضورؑ نے فرمایا (جو دوسرے دوستوں کی زبان پر جاری تھا) اب تو احباب کی کثرت کی وجہ سے سیر بھی مشکل ہو گئی ہے۔ پھر حضورؑ وہیں سے واپس آ گئے۔

ایک واقعہ جو ایک معجزہ پر مشتمل ہے یہ بھی ہے کہ جلسہ سالانہ کے بعد مہمانخانہ میں (جو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ والے مکان میں ہوتا تھا) صبح کے کھانے کے لئے گڑ والے چاول پکائے گئے۔ جب تقسیم کا وقت آیا تو محسوس ہوا کہ خدّام مسیح موعودؑ یعنی مہمان زیادہ ہیں اور کھانا کم ہے حضورؑ کی خدمت میں اطلاع کرائی گئی تو حضورؑ نے فرمایا میرے آنے پر تقسیم شروع ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن سیڑھیوں کے اُوپر سے ہی تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے اور فرمایا تقسیم شروع کرو حضورؑ کے سر پر اُس وقت سفید ٹوپی تھی (جیسے کبھی کبھی بوڑھے معزز کشمیریوں کے سر پر امرتسر وغیرہ میں دیکھی گئی) اور کھلے بازوؤں طریزوں والا کُرتہ اور پاجامہ تھا اور کالی سی صدری تھی۔ ایک لمبے قد کے بزرگ (بعد میں معلوم ہوا یہ حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ تھے) نے دیگ کے پاس کھڑے ہو کر چاول تقسیم کرائے۔ دیگ کے مُنہ پر کپڑا ڈالا گیا۔ ایک طرف سے چاول نکالے جاتے اور مہمان پلیٹوں میں لے لے کر دُور نزدیک تختوں پر، صفوں پر یا چارپائیوں پر بیٹھ کر کھانے لگے۔ تقسیم ختم ہونے پر معلوم ہوا سب مہمان کھا چکے مگر کھانا وافر بچ گیا ہے۔

حضورؑ تو اُدپر ہی سے اندر تشریف لے گئے اور مہمانوں میں باتیں ہونے لگیں۔ لوجی یہ معجزہ بھی آج دیکھ لیا۔ کوئی الحمد للہ کہہ رہا تھا، کوئی درود شریف پڑھ رہا تھا۔ بار بار "معجزہ" کا لفظ میں نے کئی مونہوں سے سُنا تو اباجی سے پُوچھا کہ معجزہ کیا ہوتا ہے؟ کھانا کھاتے کھاتے ہی اباجی نے مجھے یہ سارا ماجرا بتایا۔

مَیں نے اِس کا حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ وارضاہ سے دو تین بار ذکر کیا تھا جس پر آپؓ نے فرمایا تھا ہاں یہ بعض اَور لوگوں نے بھی بیان کیا ہے بلکہ ایک دفعہ ایک صاحب کا نام بھی لیا یعنی مکرم ماسٹر نواب دین صاحب برادر اکبر جناب ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آل محمّدٍ کما صلّیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انّک حمید مجید۔ آمین ÷

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ جہان تو تخم ریزی کا جہان ہے اور ایسے موقعے حاصل کرنے کے واسطے ہے جن سے خدا تعالیٰ راضی ہو۔" (ملفوظات جلد ہفتم صہ ۹۳)

اقتصادی مشکلات کا حل اسلام کی رُو سے

(مکرم جناب خالد سیف اللہ خان صاحب ۔ ایس سی (انجنیرنگ) لائل پور)

(قسط دوم)

آئیے اب دیکھیں کہ اسلام اِن مشکلات کا کیا حل پیش کرتا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے "اسلام کا اقتصادی نظام" میں اِس بارہ میں نہایت ہی اعلیٰ اور قابلِ قدر بحث فرمائی ہے۔

حکومت کے متعلق اسلام کی اصولی ہدایات :-

۱۔ بادشاہت اور ملکیت خدا تعالیٰ ہی کو حاصل ہے جیسے فرمایا تَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (زخرف آیت ۸۶) یعنی بہت برکت والا وہ خدا ہے جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اسی طرح جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ لہٰذا کسی کے سپرد اگر کوئی ذمہ واری کی جاتی ہے تو وہ خدا کی امانت ہوتی ہے جس کا اُسے حساب دینا ہے۔

۲۔ بادشاہت خدا کی طرف سے ملتی ہے اس پر کسی کا ذاتی حق نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (آل عمران رکوع ۳) یعنی اے مخاطب! تُو کہہ دے کہ اے اللہ تمام بادشاہوں کے مالک خدا تُو جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے یعنی بادشاہت ملنے کے سامان اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں۔

۳۔ حکام کے فرائض میں یہ چیزیں داخل ہیں کہ ملک میں امن و امان قائم رکھیں، فساد کو روکیں اور لوگوں کے جان و مال، کاروبار اور کھیتوں کی حفاظت کا انتظام کریں۔ رعایا کی اقتصادی حالت اور بہبود کا خیال رکھیں۔ چنانچہ بُرے اور نااہل حُکام کے بارہ میں فرمایا اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرہ ۲۵/۹) یعنی دُنیا میں کئی حاکم ایسے ہوتے ہیں کہ جب اُنہیں بادشاہت مل جاتی ہے تو بجائے امن قائم

کرنے کے وہ ملک میں فساد برپا کر دیتے ہیں اور اس طرح طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک اور جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ○ (سورۃ نساء ﷺ) یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جب تمہیں موقع ملے کہ تم بادشاہت کی امانتیں کسی کے سپرد کرو تو یاد رکھو تم یہ امانتیں ہمیشہ ان لوگوں کے سپرد کیا کرو جو تمہارے نزدیک حکومت کے اہل ہوں۔ اور ایسے ہی اے حاکمو! ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ جب تم کوئی فیصلہ کرو تو عدل سے کام لو یعنی حکومت کی بنیاد افرادِ قوم میں انصاف قائم کرنے پر ہو۔ اسی میں تمہارا فائدہ ہے یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ (الف) اسلام نے انتخاب کی بنیاد پر حاکم مقرر کرنے کا اصول مقرر فرمایا ہے۔ (ب) انتخاب کی بنیاد اہلیت پر ہوگی نہ کہ ذات، برادری اور ذاتی مفاد پر۔ (ج) حکومت کسی کی ملکیت نہیں بلکہ امانت ہے۔ (د) حاکم کا فرض ہے کہ وہ افراد اور اقوام کے درمیان عدل کرے اور اس بات کو یاد رکھے کہ اُسے اس امانت کا خدا کو جواب دینا ہے۔

۴۔ عوام کو خدا، رسولؐ اور حاکمِ وقت کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یعنی تم اللہ کی، اس کے رسولؐ کی اور جن کے سپرد تم نے حکومت کی امانت کی ہے اُن کی اطاعت کرو۔

اموال کے متعلق اسلام کا اقتصادی نظریّہ

۱۔ دُنیا کی تمام چیزیں بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (سورہ بقرہ ﷺ) یعنی خدا وہی ہے جس نے دُنیا کی سب چیزیں (زمین، دریا، پہاڑ، کانیں اور دیگر ذرائع پیداوار) کسی فردِ واحد کے لئے نہیں بلکہ سب انسانوں کے مجموعی فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں۔

۲۔ انسان اموال پیدا کرنے اور اُن کے خرچ کرنے میں آزاد نہیں ہے بلکہ بعض احکام اور قوانین کا پابند ہے جبکہ سرمایہ داری بے قید معیشت کے اصول کو اپناتی ہے۔ چنانچہ اموال کے متعلق

یہ قاعدہ بیان فرماتا ہے کہ اٰتُوْھُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اٰتَاکُمْ (سورہ نور ۳۴) اے لوگو! جب تمہارے پاس غلام ہوں یعنی جنگی قیدی تمہارے قبضہ میں آئیں اور نہ وہ خود فدیہ ادا کرسکتے ہوں اور نہ اُن کی قوم تو ہم یہ حکم دیتے ہیں کہ اے جنگی قیدیوں کے نگرانو! اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس میں سے اُس غلام کی مدد کرو کیونکہ مال خدا کا ہے اور خدا کے مال میں سب لوگوں کا حق شامل ہے۔ اِس آیت سے یہ معلوم ہُوا کہ اہلِ اسلام کے نزدیک دُنیا کی دولت، پیداوار اور ذرائع پیداوار سب انسانوں کے لئے ہیں۔ دوسرے اصل دولت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اس لئے انسان کو اپنے مال کو خرچ کرنے کا کلّی اختیار نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق اُسے اپنی آزادی کو محدود کرنا ہوگا۔

۳۔ اسلام حرّیتِ شخصی کو نہیں مٹاتا۔ اقتصادیات میں انفرادی آزادی کو قائم رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ انسان طوعی نیک کاموں میں حصّہ لے کر حیاتِ اخروی کو سُدھار سکے۔ نیکی کی بنیاد اپنے ارادہ وشعور کو کام میں لاکر رضائے الٰہی کی جستجو پر ہے۔ اس کے لئے اپنے دائرہ میں صاحبِ اختیار ہونا بھی ضروری ہے۔

۴۔ اسلام بنی نوع انسان میں منصفانہ تقسیم پیداوار کا قائل ہے لیکن تقسیم کا اصول طوعی انفرادی قربانی پر ہے نہ کہ جبر پر۔

۵۔ تقسیم اموال اگر طوعی طور پر منصفانہ نہ ہوں تو چونکہ سب اموال اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، لہٰذا حکومت دخل دے کر اس کمی کو قانونی طور پر پُورا کرنے کی مجاز بلکہ پابند ہوگی۔

۶۔ اسلام ناجائز اغراض کے لئے دولت کمانے سے منع کرتا ہے مثلاً کھیل کُود کے لئے، آرام طلبی اور بے کاری کی زندگی بسر کرنے کے لئے، دنیوی سامانِ زینت کے حصول کے لئے، ایک دوسرے پر اپنی بڑائی اور امارت کے اظہار کے لئے اور محض مال و دولت کے جمع کرنے کی خواہش کو پُورا کرنے کے لئے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (سورہ الحدید ۳/۱۹) یعنی اے لوگو جان لو کہ دُنیا کی زندگی محض ایک کھیل ہے اور دل بہلاوا ہے اور زینت حاصل کرنے اور آپس میں فخر کرنے

اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں بڑائی جتانے کا ذریعہ ہے اس کی حالت بادل سے پیدا ہونے والی کھیتی کی سی ہے جس کا اُگنا زمیندار کو بہت پسند آتا ہے اور وہ خوب لہلہاتی ہے مگر آخر تو اس کو زرد حالت میں دیکھتا ہے (پھر اس کے بعد) وہ گلا ہوا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (ایسے دُنیا داروں کے لئے) سخت عذاب مقرر ہے اور بعض کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضائے الٰہی مقرر ہے اور ورلی زندگی صرف ایک دھوکے کا فائدہ ہے۔

۷۔ اسلام دولت کے غلط استعمال سے منع کرتا ہے۔ چنانچہ سچے مسلمان کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ یعنی مسلمان وہی ہیں جو لغو کاموں سے بچتے ہیں۔ مثلاً وقت ضائع کرنا، مال و دولت کو ضائع کرنا، ناواجب زینت، تفاخر، فیشن اور سامانِ تعیش میں منہمک رہنا، زیورات، تعمیرات اور لباس پر غیر ضروری اخراجات کرنا اور سنیما، تھیٹر اور تماشوں پر روپیہ ضائع کرنا وغیرہ وغیرہ۔

۸۔ اسلام اموال جمع کرنے سے منع کرتا ہے۔ جائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو بھی جمع کرنا اور اس طرح اُسے گردش میں آنے سے روک دینا اور تقسیم دولت کو غیر متوازن کر دینا بھی اسلام میں منع ہے۔ چنانچہ روپیہ جمع کرنے والوں اور خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کے لئے قرآن مجید میں دل ہلا دینے والا انذار بیان ہوا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (سورہ توبہ ع۱۱) اور وہ لوگ جو سونے اور چاندی کو جمع رکھتے ہیں اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی خبر دے۔ (یہ عذاب) اُس دن ہو گا جبکہ اس (جمع شدہ سونے اور چاندی) پر جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی پھر اس (سونے اور چاندی) سے اُن کے ماتھوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ لگائے جائیں گے (اور کہا جائے گا) کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم اپنی جانوں کے لئے جمع کرتے تھے۔ پس جن چیزوں کو تم جمع کرتے تھے اُن کے مزہ کو چکھو۔

۹۔ اسلام جائز کمائی میں سے بھی اسراف کی ممانعت کرتا ہے۔ اسلام نے اسراف سے منع کیا ہے

جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ گو خرچ کا محل تو جائز ہو مگر خرچ ضرورت سے زیادہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۝ کھاؤ پیؤ اور اسراف نہ کرو کیونکہ وہ (اللہ) اسراف کو پسند نہیں کرتا۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۲۷ تا ۲۸) اور قرابت والے (رشتہ دار) کو اور مسکین کو اور مسافر کو اس کا حق دو اور اسراف کسی رنگ میں (بھی) نہ کرو۔ اسراف کرنے والے لوگ یقیناً شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکر گزار ہے۔

۱۰۔ اسلام بجائے جمع کرنے کے مال کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(ا) ضرورت سے زائد خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔ چنانچہ فرماتا ہے وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ ۲۲۰) اور وہ تم سے سوال کرتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ انہیں کہو کہ جو ضرورت سے بچ رہے۔

(ب) کن پر خرچ کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء آیت ۳۷) اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور اسی طرح رشتہ دار ہمسایوں اور بے تعلق ہمسایوں اور پہلو میں (بیٹھنے) والے لوگوں اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہو (ان کے ساتھ بھی) حسن سلوک کرو۔ پھر فرمایا وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات آیت ۲۰) اور ان کے مالوں میں سوالیوں اور ناداروں کا حق ہے۔ نیز قرض داروں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ آیت ۲۸۱) اگر قرضدار تنگ دست ہو تو اس کی حالت درست ہونے تک اُسے مہلت دے دو اور اگر (قرض) معاف (ہی) کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔

(باقی)

جماعتِ احمدیہ کی عظیم الشان اسلامی خدمات کا اعتراف

سیرالیون کے گورنر جنرل ہز ایکسی لنسی سر بنجا تیجا نسی کا خطبۂ صدارت

فروری ۱۹۶۹ء کے دوسرے ہفتہ میں جماعتِ احمدیہ سیرالیون کی بیسویں سالانہ کانفرنس بو کے مقام پر منعقد ہوئی۔ اس میں سیرالیون کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ایک ہزار سے زائد احمدی احباب کے علاوہ سیرالیون کی متعدد سربرآوردہ شخصیتوں نے جن میں ممبرانِ پارلیمنٹ، پیرامونٹ چیفس اور اعلیٰ سرکاری افسران شامل تھے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس کے افتتاحی اجلاس میں صدارت کے فرائض سیرالیون کے گورنر جنرل ہز ایکسی لنسی سر بنجا تیجا نسی نے ادا فرمائے۔ آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں اشاعت و تبلیغِ اسلام کے ضمن میں جماعتِ احمدیہ کی عظیم الشان خدمات اور ان کے نہایت خوشکن نتائج کا ذکر فرما کر اسے بہت شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ گورنر جنرل موصوف کے انگریزی خطبۂ صدارت کا متن جماعتِ احمدیہ کے زیرِ اہتمام گھانا سے شائع ہونے والے وہاں کے واحد اسلامی اخبار "دی گائیڈنس" (THE GUIDANCE) نے اپنے فروری اور مارچ ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں شائع کیا ہے۔ آپ کے اس خطبۂ صدارت کا اُردو ترجمہ ذیل میں ہدیۂ قارئین ہے۔ ہز ایکسی لنسی سر بنجا تیجا نسی نے کانفرنس میں شریک احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

"مَیں آج یہاں آپ صاحبان کے درمیان آکر بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مجھے جماعت احمدیہ کی سالانہ کانفرنس میں صدارت کے فرائض انجام دینے کا شرف حاصل ہُوا ہے۔ سالہا سال قبل اس مُلک میں جماعتِ احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ مَیں اُس وقت سے ہی اس جماعت کی ترقی کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کرتا اور جائزہ لیتا رہا ہوں۔ اس جماعت کے اکثر نہ سہی بہت سے مبلّغینِ اسلام میرے دوست اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے ساتھی رہے ہیں۔

اس تمام عرصہ میں مَیں نے آپ کی جماعت سے اسلام کے بارہ میں اور موجودہ ترقی یافتہ دُنیا میں اس کے اہم کردار کے متعلق بہت کچھ سیکھا ہے۔ آپ کی جماعت نے اپنی مخصوص تعلیم کی رُو سے اسلام کو جس فلسفیانہ اور معنی خیز انداز میں دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے مَیں ہمیشہ ہی اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ بلاشبہ آپ کی جماعت نے اسلامی تعلیم کو صوفیوں کے حُجروں سے نکال کر اسے ہر کس و ناکس کے لئے عام کر دیا ہے۔ آپ نے اُن اصولوں کو جنہیں ہم مسلمان جان و دل سے عزیز رکھتے ہیں اور جن کے خاطر ہم میں سے بہت سوں نے اپنی زندگیاں بھی وقف کیں، نئی زندگی اور نئی قوّت و توانائی سے ہمکنار کیا ہے۔ اسلام امن کا مذہب ہے۔ آپ لوگ جس تعلیم کے علمبردار ہیں اس میں اسلام کے اِس پہلو کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے اِسی لئے اخلاقی نقطۂ نگاہ سے اِس تعلیم کی قدر و منزلت ظاہر و باہر ہے۔

آپ کی جماعت دُنیا کے لئے ایک پیغام لے کر آئی ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ ہمیں اپنے مذہب کے قدیمی تصورات کا دُنیائے جدید کے مذہبی تقاضوں کی روشنی میں از سرِ نو جائزہ لے کر انہیں اِن تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ احمدیت اسلام کو بدلنے یا اسے نئی شکل دینے آئی ہے۔ برخلاف اِس کے اِس ضمن میں جماعت احمدیہ نے جو کچھ کیا ہے اور فی زمانہ جو کچھ کر رہی ہے اِس کا مطلب اِس کے سوا اَور کچھ نہیں کہ اسلام کو اُس کی صحیح اور اصل شکل میں پیش کر کے یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام اُن تمام روحانی اقدار کا حامل ہے جن کی جدید دُنیا میں ہر نوع کی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلہ میں ہمیں ضرورت ہے۔ بالفاظِ دیگر جماعتِ احمدیہ ہمیں یہ یاد دلانے آئی ہے کہ ہم زیادہ غور و فکر سے کام لے کر اسلامی تعلیم کی گہرائی اور گیرائی کو پانے کی کوشش کریں تاکہ ہم اُس ایمان و یقین سے مالا مال ہو سکیں جس کے بغیر ہم اپنی زندگیوں، رُوحانی ذوق و شوق اور محبّت و اخوّت کو نئی توانائی سے ہمکنار کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔

آپ کی جماعت اُس انسانی جذبہ سے سرشار ہے جس کا حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے:-

"کوئی مسلمان سچا مسلمان نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ اپنے بھائی
کے لئے بھی وہ کچھ پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے"

اس جذبہ کے ماتحت ہی آپ کی جماعت دنیا کو حلقہ بگوشِ اسلام بنانے کی مقدور بھر کوشش کر رہی ہے۔

آپ کی جماعت کی ایک بہت بڑی خوبی ـــ اور مجھے یقین ہے کہ اس ملک میں بہت سے لوگ اس کے معترف اور مداح ہیں ـــ یہ ہے کہ آپ کے مبلغینِ اسلام عجز و انکسار، قربانی و ایثار اور ادائیگی فرض کی لگن ایسے اہم اوصاف سے متصف ہیں۔ اس قسم کی عاجزی و انکساری مادی تسکین اور ذہنی ژولیدگی کے موجودہ دور میں عنقا ہے۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جو ایک انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ہر دوسرے انسان کے ساتھ اس احساس کے ماتحت ہمدردی سے پیش آئے کہ فی الواقعہ وہ خبرگیری و نگہداشت اور تسلی و تشفی کا محتاج ہے۔ دوسروں کو ملامت کرنے سے بدرجہا بہتر یہ امر ہے کہ از راہ ہمدردی اُن کی حالت کو بدلا اور منقلب کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

"اور جانتے بوجھتے ہوئے حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ
حق کو جانتے بوجھتے ہوئے چھپاؤ" (البقرہ آیت ۴۳)

ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں حق بات کہنا یا حق کا اعلان کرنا کس قدر مشکل ہے۔ یہ مادی دنیا روحانی اقدار سے متعلق ہمارے احساس کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔ اگرچہ روحانی انوار دنیا میں ہمیشہ ضوفشاں رہتے ہیں لیکن ہم انہیں دیکھنے اور ان کی ماہیت کو سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ ہمارے اندر اپنے اطوار بدلنے کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے اصل راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ ہماری ابتر حالت خدا سے پوشیدہ نہیں۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے لیکن وہ بہت درگزر اور معاف کرنے والا خدا ہے۔

یہ آپ لوگوں کا کام ہے کہ آپ اپنے نمونہ سے، اپنے جذبۂ خدمت سے، اپنے ایمان و ایقان سے، اپنی جود و سخا سے ہماری روحانیت کو نئی توانائی سے

ہمکنار کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ "تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔ ہم سب مسلمان ہونے کی حیثیت میں ایک دوسرے کو سہارا دیتے اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہوئے ایک ساتھ تیر کر ساحل مراد تک پہنچ سکتے ہیں۔

آپ لوگ جو خدمت بجا لا رہے ہیں ہماری قوم کی بھلائی کے لئے بجا لا رہے ہیں اس میں کوئی ذاتی فائدہ آپ کے مدنظر نہیں۔ آپ صحت مند افکار اور روحانی اقدار کے ذریعے ہمارے نوجوانوں اور ہماری خواتین کی زندگیاں بنانے اور انہیں کردار سازی کے وصف سے متصف کرنے میں ہماری بہت مدد کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ صحت مند خطوط پر ہماری قوم کی تعمیر و ترقی میں کوشاں ہیں"۔
(بحوالہ "دی گائیڈنس"۔ سالٹ پانڈ بابت فروری و مارچ ۱۹۶۹ء صفحہ ۹)

ایک نئی زندگی بسر کرنیوالے انسان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"(ضروری ہے کہ) اس سلسلہ میں داخل ہو کر تمہارا وجود الگ ہو اور تم بالکل ایک نئی زندگی بسر کرنے والے انسان بن جاؤ، جو کچھ تم پہلے تھے وہ نہ رہو۔ یہ مت سمجھو کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے محتاج ہو جاؤ گے یا تمہارے بہت سے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔ نہیں، خدا کا دامن پکڑنے والا ہرگز محتاج نہیں ہوتا اس پر کبھی بُرے دن نہیں آ سکتے۔ خدا جس کا دوست اور مددگار ہو اگر تمام دُنیا اس کی دشمن ہو جاوے تو کچھ پرواہ نہیں۔ مومن اگر مشکلات میں بھی پڑے تو وہ ہرگز تکلیف میں نہیں ہوتا بلکہ وہ دن اس کے لئے بہشت کے دن ہوتے ہیں۔ خدا کے فرشتے ماں کی طرح اسے گود میں لے لیتے ہیں"۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۰۲ء)

انصار اللہ کا عہد

ہمارے سالانہ اجتماع اکتوبر ۱۹۵۶ء کے موقع پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار اللہ کے لئے مندرجہ ذیل عہد منظور فرمایا۔ سب مجالس اپنے اجتماعات میں اِسے بالالتزام دُہرایا کریں۔

(قائد عمومی)

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَـهٗ

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُـهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کیلئے انشاء اللہ آخر دم تک جدّوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔

مرکزی اعلانات

تحریک جدید کا دفتر دوم

انصار اللہ کی ایک اہم ذمہ داری

تحریک جدید کے مالی جہاد کے سلسلہ میں ایک اہم ذمہ داری سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے انصار اللہ کے سپرد فرمائی ہے جیسا کہ حضور انور فرماتے ہیں :-

" دفتر دوم کی ذمہ داری آج مَیں انصار پر ڈالتا ہوں ... اور مَیں حکم دیتا ہوں کہ انصار اپنی تنظیم کے لحاظ سے جماعتوں کے ساتھ پُورا پُورا تعاون کریں اور کوشش کریں کہ آئندہ سال دفتر دوم کے وعدوں اور ادائیگیوں کا معیار انیس۱۹ روپیہ فی کس اوسط سے بڑھ کر تیس۳۰ روپیہ فی کس اوسط تک پہنچ جائے ۔"

انصار اللہ کے عہدیداران حضرات سے درخواست ہے کہ وہ حضور انور کے منشاءِ مبارک کے مطابق کام کو سرانجام دے کر عند اللہ ماجور ہوں ۔　　(قائد تحریک جدید مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

مومن جو کچھ کہتا ہے کر کے دکھا دیتا ہے

سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

" مومن اپنا کام ختم کئے بغیر نہیں مرتا ۔ یہ وہ مقام ہے جس کے لئے مومن کوشش کرتا ہے کہ ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں موت اس کے لئے باعثِ رنج نہ ہو بلکہ وہ اعلان ہو اسلام کی فتح کا ۔ اور وہ اعلان ہو اسلام کی کامیابی کا ... مگر دُنیاداروں والی قربانی نہ ہو بلکہ مومن انسانوں والی قربانی ہو ۔ مومن جو کچھ کہتا ہے وہ کر کے بھی دکھا دیتا ہے ۔"

کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک زمانہ پایا اور پھر آپ کی جماعت میں شامل ہو کر اسلام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچانے کا عزمِ صمیم کئے ہوئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہماری حقیر قربانیوں میں برکت ڈالے ۔ آمین ۔

پس ہماری جماعت کے تمام مخلصین کو چاہیئے کہ اپنے پیارے آقا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مذکورہ بالا ارشاد کی تعمیل میں تحریکِ جدید کی ہر مالی قربانی میں حصہ لے کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنیوالے ہوں۔
(قائد تحریکِ جدید مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

ماہانہ رپورٹ کارگزاری انصار اللہ

مجالسِ انصار اللہ کی طرف سے ماہانہ کارگزاری کی رپورٹ مرکز میں پہنچنے کے لئے ہر ماہ کی دس تاریخ مقرر ہے۔ جملہ مجالس سے درخواست ہے کہ وہ ماہ اماں کی رپورٹ بروقت مرکز میں ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ نیز ناظمینِ اضلاع سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنی ماہانہ رپورٹ بابت ماہ اماں بھجوا کر عنداللہ ماجور ہوں۔
(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

ضروری گزارشات

۱۔ ازراہِ کرم آپ اپنا چندہ ماہنامہ انصار اللہ بذریعہ منی آرڈر براہِ راست مینیجر ماہنامہ انصار اللہ ربوہ کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

۲۔ ماہنامہ انصار اللہ کا چندہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بھجوانا مقصود ہو تو براہِ کرم اپنا مکمل پتہ اور خریداری نمبر تفصیل میں درج فرماویں۔

۳۔ خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں رسالہ کا چندہ بھجواتے وقت چندہ ماہنامہ انصار اللہ کے الفاظ تحریر فرماویں، ورنہ رقم ماہنامہ انصار اللہ کی امانت میں داخل نہ ہو سکے گی۔

۴۔ ایڈریس کی تبدیلی کے وقت سابقہ اور نیا ہر دو پتہ جات مکمل اور خوشخط تحریر فرماویں۔

۵۔ رسالہ کے سلسلہ میں جملہ خط و کتابت بنام مینیجر ماہنامہ انصار اللہ ہونی چاہیئے۔

۶۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

(مینیجر ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ)

هلاکت کے گڑھے سے بچنے کا سامان

انسان کو چاهئیے که اپنے رب کی طرف رجوع کرے

حضرت مسیح موعود علیه‌السلام فرماتے هیں :-

''اس بات کو بخوبی یاد رکھو که گناہ ایسی زهر هے جس کے کھانے سے انسان هلاک هو جاتا هے اور نه صرف هلاک هی هوتا هے بلکه وہ خدا تعالی کا قرب حاصل کرنے سے رہ جاتا هے اور اس قابل نهیں هوتا که یه نعمت اس کو مل سکے - جس جس قدر گناہ میں مبتلا هوتا هے اسی اسی قدر خدا سے دور هوتا چلا جاتا هے اور وہ روشنی اور نور جو خدا تعالی کے قرب میں اسے ملنا تھا اس سے پرے هٹتا جاتا هے اور تاریکی میں پڑ کر هر طرف سے آفتوں اور بلاؤں کا شکار هو جاتا هے یہاں تک که سب سے زیادہ خطرناک دشمن شیطان اس پر قابو پا لیتا هے اور اسے هلاک کر دیتا هے لیکن اس خطرناک نتیجه سے بچنے کے لئے الله تعالی نے ایک سامان بھی رکھا هؤا هے - اگر انسان اس سے فائدہ اٹھائے تو وہ اس هلاکت کے گڑھے سے بچ جاتا هے اور پھر خدا تعالی کے قرب کو پا سکتا هے - وہ سامان کیا هے ؟ رجوع الی الله یا سچی توبه - خدا تعالی کا نام تواب هے - وہ بھی رجوع کرتا هے - اصل بات یه هے که انسان جب گناہ کرتا هے تو الله تعالی سے دور هو جاتا هے اور خدا تعالی اس سے بعید هوتا هے - لیکن جب انسان رجوع کرتا هے یعنی اپنے گناهوں سے نادم هو کر پھر خدا تعالی کی طرف جھکتا هے تو اس کریم رحیم خدا کا رحم کرم بھی جوش میں آتا هے اور وہ اپنے بندہ کی طرف توجه کرتا هے اور رجوع کرتا هے - اس لئے اس کا نام تواب هے - پس انسان کو چاهئیے که اپنے رب کی طرف رجوع کرے تاکه وہ اس کی طرف رجوع برحمت کرے ''

(ملفوظات جلد ۷ صفحه ۱۸۳ ، ۱۸۴)

نائیل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا